

رباعیات

# فجری و جوارہ

جوش ملیح آبادی

سیرت الہامی





مجوم و جواہر

جوش ملیح آبادی

پبلشرز اکیڈمی، لاہور

نجوم و جواہر

جوشس میچ آبادی

پیشہ جوشس اکیڈمی، کراچی

جلد اول - لکھنؤ

جلد دوم - لکھنؤ

جلد سوم - لکھنؤ

پاکستان ٹائمز پریس ، لاہور  
انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس ، لاہور

پہلی بار :

فصل :

موضوع :

حصہ :

پیشہ کار :

مکتبہ ادب جدید  
پشاور کراؤنڈ ، سکول روڈ ، لاہور

# غرفات

۱۔ اندیشہ و ادراک

۲۔ وقت

۳۔ فن کار

۴۔ ذہقان و شہزید

۵۔ جمالیات

۶۔ طلوع و صلیح

۷۔ غروب و جمال

۸۔ جلو کس غم

۹۔ نو بہنو

۱۰۔ نالہ و شنگی

۱۱۔ گریب سوال

یہ، مائِزِ باں، سُخَن کے لانے والے  
یہ، اپنے ہی خون میں ٹہالنے والے  
والدِ کبرِ ہیں، حَشَم و چہرِ اجِ آفاق  
یہ، "فکر" کو "آواز" بنانے والے

تسبیح و عمامہ و عبا و خاتم  
تاج و آدرنگ و قلعه و چتر و علم  
یہ، جملہ عظیم قوتیں، ایک طرف  
اور ایک طرف طاقتِ سرکارِ قلم

(غُزْدَ اَوَّل)

آندیشہ و ادراک



خودت کا گہر، مہرِ مبین سے بہتر  
حکمت کی خلاوت، آنگہیں سے بہتر  
عالم کا دیا ہوا گمانِ بد بھی  
جاہل کے عطا کردہ یقیں سے بہتر

## بنام قوت و حیات

اس دھن میں کہ دل، عقل کے شیدا ہو جائیں  
آفاق کے اسرار، ہویدا ہو جائیں  
مدت سے گرا رہا ہوں، تخم افکار  
شاید کہ نئے درخت پیدا ہو جائیں

ک دنیا مبہم ہے ہماری دنیا  
ک قطرہ شب تم ہے ہماری دنیا  
تاروں کے ہوکھلیں گھنٹنگالے، تو کھلا  
اک جو سے بھی چو کم ہے ہماری دنیا

خود بین و خود آکاہ کیا ہے کس نے  
ایمان کا بد خواہ کیا ہے کس نے  
انسان کو، شیطان نے کیا ہے گم راہ  
شیطان کو گم راہ کیا ہے کس نے؟

اس بارگاہِ کائنات میں، ہم کیوں ہوئیں  
اس اعلیٰ و خشن طبع میں، ہم کیوں ہوئیں  
البتہ ہے "زخمن" "و" "رؤف" "و" "رزاق"!  
پتوں کی اس انجمن میں، ہم کیوں ہوئیں

زُلفِ جرماں کے پیچ کھولو یارو  
انسان کے آنسوؤں کو تو لو یارو  
آلامِ گدائی پر یہ شیون کب تک؟  
اسبابِ گدائی کو ٹٹولو یارو

میں، طرہ کشاکش میں، گھراؤوں، مہنوں!  
مکارِ حواس، اُور وہ بھی محدود  
بالفرض اگر کشفِ غطا بھی ہو جائے  
پھر بھی نہ یقین آئے کہ تو ہے موجود

---

اولم سے کہ دو کہہ پر اپنے تولیں  
شاخِ افکار پر نہ چوٹیں کھولیں  
ملا آئے جو ہفت قلزم لے کر  
حکمت کے، کھرے تو ہے، چھین سے بولیں



ایمان کو، خرد کے زوہر و لایا ہے !  
نور، بحث کی، دل میں، آرزو لایا ہے !  
کیا اس سے، مرے ادا پر آنے کی آنجہ ؟  
یہ اوس کی اک بوند جو تو لایا ہے

---

جَب، عَرَفَ عِلْمَ وَفِکْرَ کھو ا میں نے  
اپنے کو، نئے بانٹ سے تو ا میں نے  
میں ہوں کہ نہیں۔ یہ جانچنے کی خاطر  
اپنے کو، کئی بار، ٹٹولا میں نے

ہاں ، وَغَدَهُ بِزَقٍ كَوْجَكَايَسٍ تَوْحُضُورِ  
مَعْدُوں كے جَنَنَم كَوْجَكَايَسٍ تَوْحُضُورِ  
پَیْمَان "مَرَض" ہے ، اور اِیْقَاءِ سَبِّ "شَفَا"  
غَسَلِ صَحَّتِ كَبِی تَوْفَرْمَايَسِ حَضُورِ

---

ہر صحت سے اک نوی نکل آتی ہے  
انصاف میں ، ایک آنچ سی لہرائی ہے  
کھاتا ہوں نڈالے غلام متنی اے جوش  
اتنی ہی کچھ ہو بھوک بڑھ جاتی ہے

بوسیدہ ہدایت کی حرمت نہ کرو  
شعیت و تحس کی اہانت نہ کرو  
دین آبادی، تم کو لاجق ہو جانے  
مال باپ سے اتنی بھی محبت نہ کرو

---

افکار میں جب غوطہ لگایا میں نے  
آفاق کو، پکنوں پہ جھلایا میں نے  
ادراک کی میزان میں تو لاجس وقت  
سائے میں بھی، وزن و حجم پایا میں نے

مخروم تہنیا سب وافر ہو جائے  
 خور سے، گنہ جہل، نافر ہو جائے  
 زاہد نہ کرے سجدہ تو مسلم نہ رہے  
 عارف جو کرے سجدہ تو کافر ہو جائے

---

اسرار کے ہر قفل کو تو زامیں نے  
 آیات کی ہر شاخ کو چھوڑا میں نے  
 دیکھا کہ صراحی میں ہے افشردہ جہل  
 جب خوشہ علم کو اچھوڑا میں نے

چھوڑ گئی نہ اک آن جوئی ہم و  
 بخش گئی حیات، سب کرنی ہم کو  
 جو بڑی سبب نسیج، اپنے منہ  
 میں جائے غم پوراں ہم کو

آندھی جاگتی ہے، شاخ ساروا ہشیار  
 ذرات ہمک رہے ہیں، تاروا ہشیار  
 اک زلزلہ ذہم شکن، راہ میں ہے  
 اے دیر و گھسیا کے مناروا ہشیار



تسید کو، تنہوں پر لی۔ خوب کیا  
تحقیق پر س غریب پیا، خوب کیا  
اقوال و اس جیر کے پتے رہ کر  
افکار کا سر مونڈ دیا۔ خوب کیا۔

---

اے، بچنے پر کے غم گسارو، بولو  
سے نور کے، منجے سے، دھارو، بولو  
اس پردہ رنگ و بو میں پوشیدہ ہے کون؟  
بولو، اے ڈوبتے ستارو، بولو

یہاں سے تیریسب نیوں میں وہ پڑھیں  
 تو میں ہو کہ تے میں سے تیریسب  
 کہہ ہی کہ درایت کے یہ نہیں  
 چھوٹے ہیں بہت۔ پڑھیں یہاں سے نہیں

— — —

یہاں خوش و برتن دل خواہ ہیں رہیں  
 اکتساب و تیران ذی جاہ ہیں رہیں  
 ہم اپنے انا پر اس قدر ہیں لہلہوت  
 اپنا نہ اگر رہے تو اللہ بھی رہیں

تا، مرنے والے میں، غم غم، بونہ سکوں  
جب لوٹ کا وقت آئے تو کچھ بھونہ سکوں  
فانی چیزوں پہ، تنہا رہا ہوں کہ ندیم  
جب ان پہ زوال آئے تو میں رونہ سکوں

---

کھولا ہے تو ہر ایک گہرہ کو کھولو  
منطق کی ترازو پہ ہر اک شے تولو  
مانا کہ یہ عالم ہے کسی کی ایجاد  
اور، علت ایجاد ہے کیا؟ اب بولو

ایمان کو لذت کی خواہش ہے  
 و خیر ہے، اسباب طرب کی تمہید  
 دوران بہشت و دُخا ان کفار  
 باقی نہ گزر ہیں تو غازی، نہ شہید

---

ہے کوئی جو اس دھویں کو گلشن کر دے؛  
 ٹھکڑے اس تیرگی کا دامن کر دے  
 دل پر ہے گھٹا ٹوپ اندھیرے کا دباؤ  
 ہلشہ، کوئی چراغ روشن کر دے!

تین بین سب، ورنہ مرز مشتکل  
 جتن کہ ہے زانین کا کھنڈر مشتکل  
 یہ ہم، ورنہ بہت غار ہے، جس کا  
 کھانا آستان، ہنرمند مرزا مشتکل

عجبت نہ کر اے مسافر دشت شعور  
 نفی و اثبات کا ابھی شہر ہے دور  
 ہاں ساتھ چلا چل کہ کہیں ٹھہرے گا  
 یہ قافلہ عجلت و معلول ضرور



خونِ انسان نہیں محبتِ کائنات  
 نصرتِ کو قربت سے نہیں کچھ سروکار  
 افسِ ولایت پہ نہیں ہزار کا حشر  
 عالمِ ولایت پہ سبے شفقت کا مدار

---

علت کا ، نہ معلول و قضا کا منکر  
 حاشائے خبر نہ مبتدا کا منکر  
 یاروں نے ، تشخص کا ، تراشا ہے جویت  
 الحاد ہے صرف اُس خدا کا منکر

اُوروں کی جوامدار نہیں کر سکتے  
خود کو وہ کنبھی شاد نہیں کر سکتے  
شہرِ دلِ دیریاں میں ہیں آباد وہ لوگ  
اپنے کو جو برباد نہیں کر سکتے

---

بے چارہ، عداوت میں گھڑا جاتا ہے  
وہ آگ لگی ہے کہ پھٹکا جاتا ہے  
جب تک میں زندہ ہوں، اُسے چین نہیں  
یہ سوچ کے، دشمن پہ ترس آتا ہے

ہوتا ہے اتنا ہے تمام کس درجہ شدید  
خود کو گردانتا ہے اک فرد فرید  
شاید یہ سمجھ رہا ہے مرثا سحری  
میری لے سے ابھر رہا ہے خورشید

---

دانا ہو تو غم کو بھی مسرت جانو  
عسرت کو بھی نقیبِ عشرت جانو  
جنسِ غائب کے غم میں گھلنے والو  
سرمایہ حاضر کو غنیمت جانو



سر دھو، ہر بن کو، ہر موڑ کو دیکھ  
 سر دھو، ہر پہاڑ کو، ہر تھوڑ کو دیکھ  
 قندب آب دہون، ہر نہاب کو گن  
 جسم ریش و سر، ہر جوڑ کو دیکھ

سر نہائیے اکرام نہیں مال و جمال  
 بربن بزرگی ہے نہ طاقت نہ جلال  
 تنہا عظمت کمال میں ہے، لیکن  
 جو اپنے قصور پر ہوتا دم، وہ کمال

ہل سے ہوتا ہے بار و چشم کا بارغ  
 جلتا ہے قلم سے ، ذہنِ انسان میں چراغ  
 ہل اور قلم کی عظمت ، کیا کہنا  
 رزاقِ بدن ہے وہ ، تو یہ ربِ دماغ

باقی نہ رہے کاکلِ اخلاق میں خم  
 معنور و ، محاربے شہرِ خرم  
 یکشن کار و بارِ عالم کیا ہے  
 ہل ، آس نہ دے ، تو گنگ بوبائے قلم



زمین مشرق ہے دور وحشت میں اسیر  
ہنگھیں بے آب، خال و خط بے تنویر  
کس طرح پتھر بنائے ایوانِ دماغ  
چہرے اب تک نہیں ہوئے ہیں تعمیر

ہاں، جیمہٴ اوراد و مناجات کی خیر  
خرگاہِ اساطیر و حکایات کی خیر  
سنکی، وہ عقلِ بے مروّت کی ہوا  
قندیلِ شبستانِ روایات کی خیر

احسان فراموشی پہ کز کا نہ کمان  
اس بات پہ غور کر، اگر ہے انسان  
جس کا لقب احسان فراموشی ہے  
وہ تو ہے ثمر افت بشر کا بیان

شوقِ آبِ حضر، نہ خوفِ ظلمات  
کچھ دغذغہ موت، نہ پروا اے حیات  
اپنے سینوں میں جوا کاتے ہیں سُرور  
اک حُسنِ مسلسل ہے انہیں، دن ہو کہ رات

دوزخ ہے ترازِ امن، تیرا غنم بہشت  
 بیدارِ مطالعہ ہے، خواہ بیدہ نہشت  
 قدرِ استاد، تا دودِ غرضیں بہریں  
 قدرِ افکار، کم تر از یک بالشت

تابانی چہرہ و نشاطِ اعضاء،  
 پرہیز کا انعام، توشیح کا صلا  
 کہتے ہیں جسے دولتِ صحت، وہ چیز  
 عادات کا زہد ہے، بدن کا تقویٰ

اَللّٰہ ہے مَرخِشَمَہ الطّافِ عَمِیم  
اَوْر بَندہ، رَہینِ جَملہ آفاتِ عَظِیم  
کَم بَختِ اِنسان ہے وَہ تَہا بِمِثا  
جو، باپ کی زَندگی میں ہوتا ہے عَظِیم

دستِ دُورِاں نے توڑ ڈالا ہَم کو  
سَرتا بَقَدَم، اَنچوڑ ڈالا ہَم کو  
جیسے ہی، خوشی کی جُستجو میں نکلے  
غَم نے، آکر، بَھنبوڑ ڈالا ہَم کو

الندرسے، مَوَدَّخوں کے اُلجھے ہوئے خواب  
ہر موجِ نفس میں سو فُسنوں کے گرداب  
سچ کی جس پردہ مک رہی ہیں مہریں  
تاریخ ہے، جھوٹ کی بڑی معروف کتاب

لاتا ہے زبان پر جو حرفِ تارِ سب  
ہوتا ہے وہ پامالِ صداقتِ مہیب  
دیکھو کہ فنا پر ہے ابھی تک غلطاں  
سقراط کا جامِ زہر، عیسیٰ کی صلیب

ذوقِ ابداع کا ادھر ہے طوفان  
کتانِ حقایق کا ادھر ہے میدان  
ہم لبِ پہر، اٹھائے ہوئے، آئے ہیں کلام  
تھم، دل میں، دبانے ہوئے، بیٹھے ہو زبان

نازل، گردوں سے ہر فراغت میری  
ختم، گردنِ قدرت، پے خدمت ہوتی  
ہوتا جو کوئی باپ، سرِ عرش بہر ہی  
تو، قرش پہ، ماں کی نہ ضرورت ہوتی

عورت۔ ذہن و مزاج و تخمیر و قوام  
 نطق و وضع و شعور و تہذیب و خرام  
 جو بات ہے پالنے کی ڈوری کا آمین  
 اُس بات میں ہے نظامِ گیتی کی لگام

ہر فرد کے پاؤں میں، باسبابِ کثیر  
 ماحول و مزاج کی پٹری سے نہ بچیر  
 بنیادِ ”خطا“ کا علم۔ سرچشمہ ”عفو“  
 بنیادِ ”خطا“ کا جہل۔ و خیرِ تعزیر

انسان سے کیا رُبط بڑھائے انسان  
نہر آن بیا ہے اک ہرالا طوفان  
مَعْرُوفِی وَالْشَّوْءِ حُبِّ وَعِشْقِ وَسُودِ  
پھر فضل، فراق، موت، غفلت، افسان

جو دیس کہ ہوتا ہے خوشی کا دشمن  
دیتا نہیں آب و نان و کافور و کفن  
جس دیس سے ہلتا نہیں پیغمبرِ اعیان  
اُس دیس سے اُگتی ہی نہیں حبِ وطن



مہین شکرگان و آرباب نقیب  
 وہ خون نرا ہے کہ رنگیں سے نہیں  
 زمین جس ذات پر بیا ہے یہ فساد  
 وہ کیا ہے، خود ان کو بھی یہ معلوم نہیں

خوابیدہ زمین پر، ہدوقِ سپہار  
 جو شخص کہ نصب کر رہا ہے اس شجر  
 اے اہل نظر، وہ بورہا ہے، دراصل  
 مابوت، سفینہ، بیج، سایہ، چہکار

خود کو نہ بھی فریب دینا اے دل  
 ہستی، گرداب میں نہ کھینا اے دل  
 "کامی" انسان فن کی سرگند  
 تعریف کا زبرِ چھ نہ لینا اے دل

تحقیق کی لوث پائے جاتی ہے مجھے  
 لغتِ ش کی دھن گھلائے جاتی ہے مجھے  
 جھپتی نہیں پینے سے بھی آفریں کی پیاس  
 پیہم کی بھوک کھائے جاتی ہے مجھے

یہ سچ ہے اگر کوئی موعظت ہے یہ  
 نندکی دین میں، نہیں کوئی حضور  
 تو مزید دعا، شدید گستاخی ہے  
 ناقابل تبدیل مشیت کے حضور

قانون سزا ہے ایک سعی بے سود  
 بدلو مجرم کا ذہن، غلطی کے غرور  
 برہان حماقت قضا ہے، ذرا عقل  
 دُروں کا رواج، قید خالوں کا وجود

کوڑے سے، جو ذہن کے خلا کو پار میں  
 لازم ہے، تمام غزبہٹی چپا میں  
 آشفہ رہیں، جو کھا میں با دی اوبام  
 جو بو میں زیاحیں، وہ ڈکاریں کا میں

میرے، اعمال کے میں پیڑے کورے  
 میرے اقوال کے میں ٹکڑے گورے  
 میں، اپنے تملق کے بے کیا کم ہوں  
 پھٹکیں نہ میرے پاس خوشامد خورے

مَعْنٰی تِیْرَا حَدِیْث وَاٰیٰتِ پَہِ دِیْن  
 مِیْن، شَہَرِیَّامَثَل و تَفْسِکَرُ کَا مَکِیْن  
 تُو، شِیْفَہٗ لُطْفِ رِسَالَتِ۔ اُوْر مِیْن  
 حَرِیْفِ نَاگُفَتَہٗ تَبْوَتِ کَا اَپِن

بے علم۔ حیات، ایک قصرِ بے نور  
 بے فکر۔ دماغ، اک کلیمِ بے طور  
 حقی کہ اُلُوہِیَّتِ اِنْسَانِیَّہِ  
 تَرْتِیْبِ قُوَاۓ عَقْلِ و تہذیبِ شُعُوْر

زہاد بزرگ و مفتیانِ ذی جاہ  
 ”الاء سنجان و عارفان اللہ“  
 اس دل میں جو اصرار ہیں، اُن سے اب تک  
 تم کیا کہ فرشتے بھی نہیں پاگاہ

ناداں بے ہوش، اور دانا ہشیار  
 ملا خواہیدہ ہے، مفکر بیدار  
 راتوں کے سکوت سے پہ آتی عرصہ  
 جاگے پروردگار، سوئے ہنسار

وَايَسَّرَ اٰمَنًا، نَہ پابندِ زنجیریں  
 اَلْكَارَ، نَہ اقسرار، نَہ دُنیا ہے نہ دیں  
 اے عقلِ غریب، یہ سیاحتِ کب تک  
 تیرا بھی کوئی وطن بنے گا کہ نہیں؟

کونین کلتے سے لگائے تجھ کو  
 آفاق، سر آنکھوں پہ پٹائے تجھ کو  
 میری غلطی، مجھ کو جستانے والے  
 اللہ ہر آفت سے بچائے تجھ کو

آندری خوں خوار می ذوقِ آفسکار  
ہر سانس میں ہوسکتے ہیں لاکھوں آسرار  
پنڈوں میں بھی، تا صبح چھبیا کرتی ہے  
کمِ بخت دماغ کی مسلسل جھٹکار

مخربِ فہماں میں، باپ سوز و گداز  
اے جوش، بجار ہے ہو گیوں فکر کا ساز  
بھیٹی ہوئی آنکھوں میں نہ ٹھونسو، انوار  
پھوٹے ہوئے کانوں میں نہ ٹھونکو آواز



تحقیق کو، جس وقت بصیرت نکلی  
تطہیر کی اوٹ سے کثافت نکلی  
جب علم کی سطح کو، ترسا کھسکا  
اک جو کی مسافت پہ چہالت نکلی

ہر قبر ہے، قاہر کے لیے تختہ دار  
ہر ظلم ہے، ظالم ہی کے حق میں آزار  
دل توڑنے والوں کو یہ معلوم نہیں  
ٹوٹے پیشوں سے جہالتی ہے تلوار

خود غور کر اسے مجتہدِ سرکہ بنیں  
 تو ہے کہ یہ پندہ حائل حاصل دیں؛  
 مجھ میں، عملِ خیر نہیں، ایمان ہے  
 مجھ میں، عملِ خیر ہے، ایمان نہیں

مجھ سے ہے، ترے عیب کے باعث جو خفا  
 ممکن ہے کہ ہو جائے کبھی دوستِ ترا  
 لیکن جو ترے ہنر سے رکھتا ہے عمار  
 وہ شخص کبھی دوست نہیں ہو سکتا

خاشاک میں، زلفِ غنبریں ملتی ہے  
 ذرات میں، خشمِ سگریں ملتی ہے  
 پیالیشِ قلم کا وہاں کسبِ امکان  
 قطرے کی جہاں تھا بہنیں ملتی ہے

---

آلودگیِ انجسم و ذرات سے بھاگ  
 ترکیبِ حقائق و روایات سے بھاگ  
 ہو جائے کہیں نہ معدہٴ ذہن خراب  
 ہاں بھاگ، بداخلِ خیالات سے بھاگ

گردش کرتا ہے جسم میں خون نہیں  
پہلو میں دھڑکتا ہے دل عرش پر  
جب ران پہ کہنی کو ہٹکا لیتا ہوں  
اور ہات کی انگلیوں پہ ہوتی ہے خیریں

محکم ہے اگر غلو ص، مثل قطبین  
نیت ہے اگر بخیر، مانند حسین  
پھر کیوں ہے شرافت و سائیل پہ پھر  
مقصود ہے اگر ترا پنجیب الطرفین

گنیا تو یہ سمجھتا ہے رفیقِ کم ہیں  
 زانو، اک جوڑ ہے، طرب گاہ نہیں؛  
 میں تو، عرشِ بریں پہ، رکھتا ہوں قدم  
 جب زانوئے فکر پر چھبکا تا ہوں حسین

دنیا، ادھر آبِ جو، ادھر مکرِ سراپ  
 فردوسِ ادھر، ادھر جہنم کا عذاب  
 احساس کی منزل میں۔ غم و شیونِ آہ  
 افکار کے خلق میں دف و خپکِ باب

نستی ہے ادھر زہر، ادھر آبِ حیات  
 بے مایہ ادھر، ادھر زہ فیض الدراجات  
 تو بھی ہے عجیب شے، حیاتِ انساں  
 چکھیں، تو بلا کی تلخ۔ سوچیں تو نبات

”اک شے ہے دُرُؤنِ پردہ ہائے اسرار“  
 ”دریائے شعور و آگہی کے اُس پار“  
 یہ قول تو در پردہ ہے اے مفتی دیں  
 اُس شے کے وجود کا مہذب انکار!

یہ دغدغہ گردشِ آیام ہے کیا؛  
یہ بندِ گرانِ سحر و شام ہے کیا؛  
اس کی بھی خبر نہیں کہ آغاز ہے کیوں؛  
یہ بھی نہیں معلوم کہ انجام ہے کیا؛

---

ہر نقص ہے، دلِ شکستگی کی تمہید  
ہر ضعف ہے، اک خازنِ گم کردہ کلید  
آزارِ رسانی ہی نہیں فعلِ قبیح  
آزارِ کشیدگی بھی ہے جریمہ شدید

ہوجائیں جب اہل شہر بدکار و دُشست  
 اعیانِ حکومت پر اٹھتے اور انگشت  
 بر خلق پر جس وقت بجے اور کورے  
 مہولوئے مغلانِ اخلاق کی پشت

سارق ہی کے فرق کو نہ خالی آرو  
 گھر کے مالک کو بھی تھبھوڑو پارو  
 جب چور کو قطعِ پید کا فرمان سناؤ  
 تو شہنہ غافل کی بھی گردن مارو



مَعْلُوں کو جس وقت تیر خاک کرو  
 عت کو بھی مَلوؤں و غم ناک کرو  
 جب، رُو جہ زانیہ کا دامن پھاڑو  
 شوہر کے گریبان کو بھی چاک کرو

اخلاق کے جتنے ہیں اصول و اقدار  
 اک سُخ سے ہیں دور، تو ایک سُخ سے دیوار  
 میدانِ عمل میں۔ اضطرابِ سب پر گاہ  
 ایوانِ خیال میں۔ ثباتِ کھنسا

جس دلیں میں آباد ہوں بھوکے انسان  
 احساسِ لطیف کا وہاں کیا امکان  
 اک فکرِ معاش پچھپا اور سو عشق  
 اک تانِ جوین پہ لاکھ کھڑے قربان

طاقِ جاں کا سراج بن جاتا ہے  
 فرقِ مہستی کا تاج بن جاتا ہے  
 ماؤقتِ اجل، دہن پہ رہتا ہے سوار  
 وہ مسئلہ، جو مزاج بن جاتا ہے

جذبات میں پتی ہے خطابت کی زبان  
 جس پر گھٹتے نہیں دلائل کے نشان  
 صد فوج خطیبان پہ سبے بھاری واہد  
 یک مزدبوز خروستے آئین بربان

افکار کے بیج، کوئی ہوتا ہی نہیں  
 اولام کے داغ، کوئی دھوتا ہی نہیں  
 ہوتی ہے جو ابلہانِ اعظم پہ محیط  
 اُس قوم میں، اختلاف ہوتا ہی نہیں

میں نے جو کہا کہ بند کر باسنا اہل  
 بندے نہ رہیں ادا اس، دکھیا بے کل  
 اللہ نے پسنا تو حبلہ کے کہا  
 سب میرے مزے چھینے آیا ہے بکل!

---

بچاں ہوئی گرم لاکھ بن کر رہ جائے  
 بگڑی ہوئی مردہ ساکھ بن کر رہ جائے  
 چھو جائے جو، پل بھر کے تفکر کی بھی آج  
 دوزخ کا الاؤ، راکھ بن کر رہ جائے

اس دور میں بھی عقل ہے ضعیف و اکراہ  
 برداعی اندیشہ پر اٹھتی ہے نگاہ  
 وجدان کے ساحل پہ بج کر کم فقہاء،  
 حکمت کی درآمد و برآمد ہے گناہ

اخلاص سے، نفی ذات اگر ہے مقصود  
 ایسا اخلاص ہے ازل سے مفقود  
 کہتے ہیں جسے خلوص، وہ حرفِ غریب  
 فرشتہ حقّالوق میں نہیں ہے موجود

امنسا نے جنوں پہ لرزہ طاری ہو جائے  
ہر موجِ نفس ایک کٹاری ہو جائے  
رکھ دے شانے پہ بات اگر عقل کبھی  
تو عشق کے منہ سے خون جاری ہو جائے

اُف، آپنے عین پیہ، اور پر تو، غیر  
بہسوتِ حرم ہے، اور خیران سے دیر  
تشیہ کے ترغے میں گھری ہے تہزیہ  
بہل ہے دل صفات میں ذات کی خیر

تخرید و تفتیش کے، لیے سو آیات  
 پہنچے ہوئے عقل سوز شہریت صفات  
 جس نے لات و منات توڑے تھے کبھی  
 اب جوش وہی خدا ہے خود لات و منات

— — — — —

اے مردِ خدا، عشق کی تلقین نہ کر  
 اے صدیختوں، عقل کی تدفین نہ کر  
 کہ خیرِ کثیر، کوئے کارِ ابلیس  
 ممکن ہو تو قرآن کی توہین نہ کر

ومان الہ سب شرارت اپنی  
 میدانِ عبادت ہے وراثت اپنی  
 ممنوع شخصہ سے استفادے کی قسم  
 تعمیلِ مشیت ہے عداوت اپنی

خالق کی تلاش میں ہے مخلوق تباہ  
 اک غم سے، ماہ پر ہے ماہی کی نگاہ  
 گھیرے ہیں کچھار کو شکاری کیا خوب  
 اذرشیر مچان پر ہے، ماشا اللہ!



پیدا ہوا، اعصاب میں، اک طرفہ کھنچاؤ  
 معنوم ہوا مستاع اسرار کا بھٹاؤ  
 ذرے کو، بتیلی پہ، جو پل بھر رکتا  
 محسوس ہوا، فطرتِ شمس کا دباؤ

ہیشیار، کہ شہدِ ستم نہ ہونے پائے  
 احساس کا سرفستِ ستم نہ ہونے پائے  
 جو شہرِ طرب، دل میں ہوا ہے آباد  
 اس شہر میں فحطِ غم نہ ہونے پائے

ہاں، خوانِ جگر، چنا " نہ بننے پائے  
 اشکِ حرمِ ماں غدا " نہ بننے پائے  
 بے شک، مرضِ غم بھی ہوگا بے گاہے  
 لیکن یہ مرض، " شفا " نہ بننے پائے

انسان کی توحید کا مشتاق ہوں میں  
 شمعِ حسیبِ عمیم کا طاق ہوں میں  
 مشرق کا نہ پابند، نہ مغرب کا اسپر  
 انسان ہوں، باشندہ آفاق ہوں میں

گزشت سے جو معذور ہو، وہ خون غلط  
 دل کو جو نہ چوتکا ہے، وہ مضمون غلط  
 انسان کو جو تپا ہے، وہ دین ہے پوچ  
 فطرت کو جو ٹھکرا ہے، وہ قانون غلط

حُبِ نوحِ بشر ہے، میرا ایمان  
 ہر چیزِ زمشت و خوب، میرا قرآن  
 اللہ کو، آغوش میں پایا میں نے  
 جیسے ہی مری گود میں آیا انسان

ہر سائنس میں کوثر کے پیام آتے ہیں  
ہر گام پہ، حوروں کے خیام آتے ہیں  
بندوں سے جو ایک بار ملتا ہوں گلے  
اللہ کے بسو بار سلام آتے ہیں

کب سر پہ کسی نبی کا احسان لیا  
راز کونین، خود بخود، جان لیا  
انسان کا عرفان ہوا جب حاصل  
اللہ کو ایک آن میں پہچان لیا

"اتواہم" کے لفظ میں کوئی جان نہیں  
 اک نوع میں ہو دہائی، یہ امکان نہیں  
 جو مشرب یزدان ہے، وہ نادان ہے فقط  
 جو مشرب انسان ہے، وہ انسان نہیں

توحید کے رخسار جھلک اُٹھتے ہیں  
 کونین کے انوار دمک اُٹھتے ہیں  
 پڑتی ہے جب اک تارِ نفس پر ضرب  
 آفاق کے سب تار گھنک اُٹھتے ہیں

گواہ کو برا، زمانہ کہتا ہی رہا  
 دریا، چپ چاپ، ظلم بہتا ہی رہا  
 آتے ہی رہے، راہ نما یا ان فراز  
 پانی، سوئے نشیب بہتا ہی رہا

کشتی، کبھی طوفان کو چکراتی ہے  
 تیلی، کبھی شجھروں کو برساتی ہے  
 شعلوں سے کبھی پھول برس پڑتے ہیں  
 شبِ غم سے کبھی آنچ بھل آتی ہے

دُنیا کبھی ہم وار نہیں ہوتی ہے  
اک وضع پہ طیار نہیں ہوتی ہے  
گرتی ہے کبھی فرش پہ یوں بھی تھالی  
مذہم سی بھی جھنکا نہیں ہوتی ہے

دلِ قعرِ مذلت میں گرا آئے کبھی  
کنگورہ عرش پر بٹھا آئے کبھی  
گھن سے بھی نہیں شکستہ ہوتا گا ہے  
اُڑ بوسے سمن سے ٹوٹ جاتا ہے کبھی

نہم گزد کو بخشے ہیں القابِ کریمہ  
کہتے ہیں فراز کو تکلف سے نشیب  
اے مکر حیات، ہم نہیں میں ناداں  
نہم لوگ، سمجھ بوجھ کے کھاتے ہیں فریب

احساسِ دوائی، بے خبری ہے اے دل  
صرصر بھی نسیمِ محسوس ہے اے دل  
پھینکا جاتا ہے جو پئے گریہ و سگ  
وہ لقمہ بھی خویشِ پروری ہے اے دل



غیرت ہے اگر تو سینہ زوری نہ کرو  
 فاقوں میں بھی خسر ام خوری نہ کرو  
 نعل و زرو گوہر کی حقیقت کیا ہے  
 حکمت بھی پڑی ملے تو چور بہارو

وانا ہے، تو افترا کے پھندوں کو نہ دیکھ  
 لفظوں کی بڑی بوئی گمندیوں کو نہ دیکھ  
 واللہ کہ جھلسلی ہیں یہ دستاویزیں  
 اقوال بزرگماں کے پھندوں کو نہ دیکھ

بُشیار، اے آگہی کے طالب انسان  
دریائے حواس، مکر کا بنے طوفان  
خلّاتی توہم کے نہاں خانے کا  
مالِ مسروقہ بیچتا ہے وجدان

فرمانِ قضا ہے، عمرِ انساں گھٹ جائے  
ہر چہرہ، غبارِ بے دلی سے اٹ جائے  
پھولوں کا چھپے فرشِ کرد و گام کے بعد  
کانٹوں پہ قدم پڑیں تو چھپاتی پھٹ جائے

شیشے کنجھی نظروں سے کھٹک جاتے ہیں  
 بے کھیس لگے، خود سے دُرک جاتے ہیں  
 دیکھا ہے کہ بوتے ہیں کچھ ایسے بھی سُبُو  
 بھرنے نہیں پاتے کہ چھپک جاتے ہیں

تیری مہلت ہے، اے حیاتِ برہم  
 اک آن، اک لحظہ، اک تنقّس، اک دم  
 طفلی و شباب و شیب و امراض و اجل  
 تیرے ہیں پی، اسے گنے پانچ قدم

کم زور ہے مستحقِ دار و بنداں  
 شہ زور ہے، شایانِ سریر و ایواں  
 اک کوچہ اڑالو، تو ذلیل و سارق  
 کل شہر خیرالو، تو عزیز و خاقاں

انسان، ازل سے ہے جہول اور ظلوم  
 لے دے کے ہے بس ایک شعورِ مہلوم  
 طفلِ نادان ہے، آپینے کے آگے  
 کس کا یہ عکس ہے، اُسے کیا معلوم

آنچیں، شام و سحر، جہستی ہی رہیں  
 روحیں، تسکین کو ترستی ہی رہیں  
 مانگا ہی کیے سحاب رحمت کی دُعا  
 ورنہ قہر کی بدلیاں برستی ہی رہیں

برغزہ عقل، ایک "صوتِ مردود"  
 ہر کاوشِ فکر، ایک سعی بے سود  
 اس خطۂ عاقلاں میں پیدا کر کے  
 کس اول میں جھوٹکا بے مجھے اے معبود!

جس ماحس و خاشاک ہوں، طبعاً پر دین  
زمینوں سے بہت دور لنگا ہوں سے قریں  
کہتے ہیں، مجھے دیکھ کر ابناے وطن  
کس دیں کا یہ شخص ہے، معلوم نہیں

برآں کی یہ سینہ زنی کیسی ہے  
نہر سائنس میں غلطاں یہ انی کیسی ہے  
اپنے گھر میں ہوں، اجنبی کے مانند  
مولیٰ، یہ غریب الوطنی کیسی ہے

جب شیب نے خال و خط کا گلشن لوٹا  
مہر کا چین فکر کا بوٹا بوٹا  
جس وقت بھجادل تو جلی شمع و مہار  
جب بال گرے تو سر میں اکھوا پھوٹا

ہاں کاسہ و خنجر کے پس یک ساں انداز  
خنجر میں جو خوف ہے، تو کاسے میں گداز  
جیبِ انساں تراشتی ہے دن رات  
تذراق کی تلوار، گدا کی آواز

اور اک کا آیا نہ سلیقہ اب تک  
تقلید کا ہے دردِ شقیقہ اب تک  
موتچپوں کے بڑی دھنوم سے گونڈے تو بنے  
اور عقل کا باقی ہے حقیقہ اب تک

مگر کبھی نہ وہ حق کے مطابق ہوگا  
واللہ، کبھی نہ مزدِ صادق ہوگا  
ایسا انسان، سب شہوں جس کے مداح  
یا باقی جور، یا منافق ہوگا



شبخیز نہ و مہر نہیں کا رہبند  
 پھیں بے انسان کی طفلی کو پسند  
 اب قصرِ عذفات، کو گر اکر، یارو  
 پھینکو، ایوانِ ذاتِ مطلق پر گمستہ

جب تک چکھتا نہیں فراغت کی مٹھاس  
 مانا کہ دل انسان کا رہتا ہے ادا اس  
 لیکن جب تک نہ ہوں، دھڑا دھڑا فاقے  
 افلاس کا احساس ہے اک مکرِ خواہش

ہوتا ہے بلند جبکہ معیارِ حیات  
 آسائش حاصل کی نہیں جیتی بات  
 آفراس کا احساس جسے کہتے ہیں  
 وہ اصل میں ہے دُورنی جیبِ جذبات

جذبات کا ، تاعمر ، تخلم نہ گیا  
 اُمید کے ہونٹوں کا تیشم نہ گیا  
 جب تک کہ زہی خون کی گردش باقی  
 دریائے تمنا کا تلام نہ گیا

کیسی ہر ایک سانس تلواری کے ساتھ  
 سخت نے سفر کیا تو آزار کے ساتھ  
 مدد حینف کہ موت کی بھی چکا آئی  
 یک آخری امید کی جھنکار کے ساتھ

میرے سینے میں ہے جواہر کی دکان  
 اس بندہ ناچیز پر، اور یہ احسان !  
 لیکن بدوی پہ جو کرم ہے، معبود  
 اُس سے مخروم ہیں کروڑوں انسان

منطوق کو۔ برضہ پاکیا ہے ہم نے  
 اوہام کو، تاجِ زردیا ہے ہم نے  
 اب تک نہیں اتر اے وہ زہر اقوال  
 بچپن میں، جو کانوں سے پیائے ہم نے

افکار سے ہوتی ہے طبیعت بلکان  
 اقوال پہ ہو رہی ہیں جانیں قربان  
 سمر کے میدان میں ہے اک عالم ہنو  
 کانوں پہ، کھڑے ہوئے ہیں لاکھوں یون

جس کا جو سنی سنانی باتوں پر ہمدرد  
 کس طرح اٹھ سکے بتائیں گا وہ  
 یوں راز بڑھے شہزادوں کی طرف  
 جس قوم کی شوپڑی پہ بڑوں کاں سار

وژل کی طرح ہمیں نہیں کھانا پسند ہے  
 رُدن سے مری، دوزخ میں ظم کے پسند ہے  
 پشند تر اہل و فسا کے نزدیک  
 اک کلمت کفر ہے خدا کے پسند ہے

اس بات سے تو نشانہ ہے کہ، فوج  
 میرے گھر میں برپا نہیں ہے کہرام  
 مجھ سے کہیں بدتر ہے پڑوسی میرا  
 یہ شکر ہے، دین آدمیت میں حرام

کیا کیا، نوعِ بشر کو رسیا تھے  
 دھکی دیتا ہے، گاہ ٹھسلا تا ہے  
 پھر بھی اس کے شکور بندے ہیں "قلین"  
 اللہ تعالیٰ پہ ترس آتا ہے

انسان کو، قوموں میں نہ بالٹو، یارو  
تفریق کا، لٹو، نہ کا جِل پارو  
جس پر بے رواں، کشتی توحیدِ بشر  
اُس خون کے دھارے پہ نہ لاکھٹی مارو

میں اور کائنات، اے محرمِ راز  
مدّت سے اب ایک ہیں، بغضِ ان گداز  
لے کر جو میرا نام، پُکارا کوئی  
آفاق سے لٹیک کی آئی آواز

سَیَّار و تَوَاقُیْت و مَن و اَرْض و سَمَا  
 خَار و گُل و رَیگ زار و دَشَت و دُریَا  
 حَیْوان و طَیْور و دِیو و حَیْ و اِنْسَان  
 سَب، اِیکِ هِی کُو کُتھ سَے ہوئے هِی پَیدا

ذہنوں پہ چڑھے ہوئے هِی، صدیوں کے غلاف  
 ہر آنِ حَسْریم و حَم آبا، کا طواف  
 ایمان ہے، اسلاف کی آوازوں کا  
 اک شور، بھرا پُختِ خیالِ اخلاف



ہر فرد ہے، واللہ، خود اپنا ہی غلام  
جو ذات میں غم نہیں ہے، اُس سے کیا کام  
ماں باپ، خدا رسول، محبوب، رفیق  
اپنے ہی انا، کے ہیں یہ بدلے ہوئے نام

اشغال پہ طفلی کا یہ ٹھپا، تاجپند  
آخر، کھاتا رہے گا ہتیا، تاجپند  
مائل ہو، بلندی کی طرف، اے انسان  
تاروں سے، فقط یہ دھول دھپا، تاجپند

یہ گزر ہے؛ دامن سے جھٹک دوں؛ بولو  
یا، دھم کے سوپ میں پھٹک دوں؛ بولو  
اے خلدِ نیریں کے ابلہاں اعظم  
س عقل کو، کس کھڈ میں نپک دوں؛ بولو

جس چیز سے واقف نہیں ہوتا انسان  
اُس پر، بھولے سے بھی چھڑکتا نہیں جان  
شوقِ نادیدہ تو ہے برحق، لیکن  
حُبِ نادیدہ کا نہیں ہے امکان

بے صرفہ ہے اُس شمع کا، محفل میں وجود  
جس کی لو ہو تمام اک موجہ دود  
فیضانِ ہدایت سے اگر ہے محروم  
تو کارِ نبوت بے سرا سر بے سود

یوں تو، جو جس کے جی میں آئے بکے  
لیکن جو حقائق ہیں، نہیں وہ سہلے  
سنگِ حالات سے بنے ہیں زنداں  
جستِ جذبات سے ڈھلے ہیں چکلے

آسان نہیں ہے کارِ تشخیصِ جبال  
اپنے کو، غلط رائے کے سانچے میں ڈھال  
تحقیق نہ کرو، سو ظن ہے، اے دوست  
سرمسام تصورِ است و سرطانِ خیال

چھوٹے کو سمجھ نہ بانگِ شہرت سے بڑا  
خالی برتن کو کیوں سمجھتا ہے بھرا  
نلکے کو اٹھائے گا جو بہاری کی طرح  
تو ہاتھ اور ذہن کو لگے گا جھٹکا

تَا، خَرُوفِ رِستائِش سے، جگر میں ہو تری  
 تَا، کِشتِ خُوذی، مَذَح سے ہو جائے ہری  
 ہاتھوں پہ لیے، کاسِ ذوقِ تحسین  
 ہر فرد ہے، مبتلائے دُرِ یوزہ گرمی

خُور دُوں کی یہ راہ ہے، بزرگوں کی وہ راہ  
 اُس میں کچھ کھوٹ ہے، نہ اس میں اکراہ  
 کہتا ہے جسے مَذہبِ پیری، طاعت  
 دہشتے ہے، شریعتِ جوانی میں، گناہ

بر خواب ہے۔ جاوہ خیال است کا خم  
 پل میں زنجیر، پل میں زلفِ زہم  
 یزدان و نیت و اہرمن و دیو و پری  
 پیچیدہ مجسموں کا الشد سے اُدھم

تابانی چہرہ و قسرو غ اعضاء  
 پر ہمیشہ کا انعامِ ثورع کا ہلا  
 کہتے ہیں جسے دولتِ صحت، وہ چیز  
 عادات کا زہد ہے، بدن کا تقویٰ

نادر کو حجب، حجب پہ دل اگسا تا ہے  
گلیوں میں پھرا کے، بھیک منگواتا ہے  
افسوس وہ جا ہلا نہ معصوم گستاہ  
جو، خیر کے دھوکے میں کیا جاتا ہے

دنیا میں ہیں بے شمار ایسے بوٹک  
جو، ذہن کے اعتبار سے ہیں مردک  
جسما پیدا ہوئے تو جگ ہیبت چکا  
عقلا پیدا نہیں ہوئے ہیں اب تک

خالق کی تلاش میں ہے، مخلوق تباہ  
اک غم سے، ماہ پر ہے، ماہی کی ہنگامہ  
ہاتھ کا جنگل میں ہو رہا ہے، کب سے  
اور بشیر نجان پر ہے، ماشاء اللہ!

اسرار کے ہر قفل کو توڑ میں نے  
آیات کی ہر نشان کو چھوڑ میں نے  
دیکھا کہ ضحیٰ میں ہے، افشردہ جہل  
جب خوشہ علم کو پھوڑ میں نے



دیکھے تو کوئی عقل و عقاید کا ثنّاد  
 وہ لحنِ تماثل، یہ خروشِ اجداد  
 میدانِ فقیہ میں جو شے ہے ایمان  
 یوان حکیم میں وہ شے ہے الحاد

وہ جن کا تخیل ہے نجیب الطرفین  
 آتشِ کدہ و دیر بھی ان کے حرمین  
 ہوتا ہے انھیں، حُبِ وطن کا ہیضہ  
 ہوتی نہیں جن کو منقہم، حُبِ کونین

مقتول دلائل کے ہیں تا دور مزار  
افکار کی لاشیں ہیں، عُفُونَتِ بکنار  
ادیان کے سیلے ہوئے شہ خانوں میں  
گھلے ہوئے بھیجوں کے لگے ہیں انبار

کیا ظلم ہے تشنگی سے مرتے رہنے  
دم، پیر خرابات کا بھرتے رہنے  
کتی ہی شکایت کی ہوں آنچیں بل ہیں  
پھر بھی، ساقی کا سُکر کرتے رہنے

حادی ہے، ازل سے، رافتِ ربِّ دُرود  
ہوتا ہی نہیں غرقہٴ رحمتِ مہرود  
گُفار نے اک دھونگ رچا رکھا ہے  
والتدکیرِ فلق سے نہیں یہ مردود

خسار یہ ہے، بھوک کی زردی چھائی  
آنکھوں میں تری ہے، اور تری پرکائی  
اے کاسہ بدست و تنگ بردوش گدا  
کیا تجھ سے بھی ہے رزق کا پیاں بھائی؟

گُناخ ہیں یہ گھنڈر، گرا دوان کو  
 یہ غرش پہ خندہ زن ہیں، ڈھا دوان کو  
 خود، صاحبِ کرسی پہ ہیں اک طسّرِ حلی  
 چھوٹی پیریاں۔ ارے جلا دوان کو

مومن ہیں تو بھوکوں کو سزا دیں، آؤ  
 قبروں کی، انھیں، خاک چٹا دیں، آؤ  
 یہ وعدہ رزق کا اڑاتے ہیں مذاق  
 ان فاقہ کشوں کا سسر اڑا دیں، آؤ

اے موجد و خلاق، مبارک باشد  
اے صانع آفاق، مبارک باشد  
ہر نعمت رواں دواں ہیں بھوکوں کے جلوں  
اے حضرت رزاق، مبارک باشد

کافر ہیں یہ بھوکے، یہ بھکاری انسان  
لو لے، لنگرے، اداس، اندھے بے جان  
نار دوزخ کے مستحق ہیں، واللہ  
یہ رخصت یزدان کے مکذب شیطان

ہر نام ہے، اک کشورِ دیگر کا علم  
 ہر نام ہے، اک رائیتِ نو کا پرچم  
 ہر فرد ہے، اک جدِ انتظامِ شمس  
 عالم ہیں بسے ہوئے ہیں اربوں عالم

---

پشتِ ایمان کا خم نکالا ہے کبھی؟  
 اقوال کو، افکار میں ڈھالا ہے کبھی؟  
 اقرار کے ساحل پر اکڑنے والو!  
 انکار کا قلزم بھی کھنگالا ہے کبھی؟

کھلتے ہی نہیں رُوزِ ابنِ آدم  
 خیراں ہے مُشخص رِجالِ عالم  
 ہر قلب و جگر ہے ایک بحرِ ذخار  
 ہر فرد بشر ہے ایک جزِ اعظم

یہ سناشیپ ہے نہ میرا سافراز  
 شے ہی نہیں کسی سے میرے انداز  
 ہاں وحدۃ الوجود میں ہوں واللہ  
 پس کو دیکھو یہ دے رہا ہے آواز

ہر سانس اک احسان ہے "جی ہاں جی ہاں"  
بے کاریہ عذر ان ہے "جی ہاں، جی ہاں"  
بند ہے ہی غلط کاریں، بے شک بے شک  
اللہ تو رحمن ہے "جی ہاں، جی ہاں"



.

...

(غزوة دُومیم)

# وقت

ہر لحظہ، ہر رنگِ دیگر، آں یارِ برآمد!



وانا سب تو وقت گزراں کو چپان  
 صدیوں کو اٹھائے پھر رہی ہے ہر آن  
 چپ چاپ گزر رہے ہیں بیمار بچ بدوش  
 لمحوں کے لباس میں کروڑوں انسان

---

یک آن گہریں، وقت ٹھہرتا ہی نہیں  
 خالی ہو کر، دقیقہ بھرتا ہی نہیں  
 جو لمحہ کہ برباد کیا جاتا ہے  
 انسان کو وہ معاف کرتا ہی نہیں

بیہودہ فسانوں میں گنوا دیں راتیں  
نکو اس کی موجوں پہ بہا دیں راتیں  
کیا صبح کو منہ دکھاسکے گا جس نے  
قصوں کی اینگٹھی پہنچا دیں راتیں

---

پیغامِ اجل ہے، کاہلی کا آزار  
محنت ہی پر ہے، زہدِ کافی کا مدار  
دنیا، اسے کاٹھا بھی نہ دے گی، واللہ  
لمحات کے دُلڈل پہ جو نہ ہو گا نہ سوار

اے شب گزرو روز کو بولمات شکن  
ایک ایک دقیقے میں ہیں لاکھوں گلشن  
نادان، کہیں ٹوٹ نہ جائے ہشیار!  
پہلے شاخیں گینوں کا پور ہیں گنگن

---

ایک آن کی کشمکش، ہٹا دیتی ہے  
پل بھر کی جھپک، رنگ اڑا دیتی ہے  
امتیہ کی، بے شمار قندیلیوں کو  
اک سانس کی تاخیر بھیا دیتی ہے

لے منٹ سا فزیکل کا ہوتا ہے -

فردا کی ٹھیکتوں پہ، فسر یاد نہ کر  
ہوگی جو کل اُفتاد، اُسے یاد نہ کر  
بخشا ہے جو قدرت نے تجھے بھولے سے  
اُس لمحہ خوش دلی کو برباد نہ کر

حاصل ہو بشر کو، خواہ کتنا ہی کمال  
طویلِ ابدیت کا تصور رہے محال  
انسان کی جھولی میں فقط چند نفس  
اور وقت کے دامن میں گزروں مٹو سال

طوفان میں پریشاں ہے آفاق کی ناؤ  
گرواب بتا رہے ہیں، امواج میں بھاؤ  
غلطایاں، پچایاں، رُلاں ذواں ہے کونین  
دیکھے تو کوئی، وقت کے دھارے کا بہاؤ

ساروں میں شگاف ڈال، ذرات کو گور  
پمایہ روز و شب میں، اک بوند نہ چھوڑ  
ہاں، مہلتِ زندگی، نہایت کم ہے  
ہر آن کو دڑھ، ہر دَقیقے کو انچوڑ



پلی بھر بھی نہیں، وقت گریزاں کو قرار  
 بچل میں ثوابت میں پرافشاں سستار  
 ہم کو بے ویاں تلاش تمکین و ثبات  
 بران، جہاں تھرک رہے ہیں گہسار

اٹھ ساغر شب، چمک رہا ہے ساقی  
 فرصت کا سیو، دُرک رہا ہے ساقی  
 سن، بال گمانی کی، خدارا، ٹک ٹک  
 یہ وقت کا دل دھڑک رہا ہے ساقی

انکھوں میں بھرے عظیم قرون کا گداز  
 پلکوں میں پروئے، جملہ آفاق کے راز  
 "تم کون ہو؟ ٹھہرو تو زرا، مردِ بزرگ"  
 "میں وقت ہوں،" دُور سے یہ آلی آواز

اے نوبل بشر، وقت کی قیمت پہچان  
 سرمایہ آفاق ہے ہر پل بہر آن  
 ہر لرزشِ ہر گاہ پہ بچھاؤ رکونین  
 ہر سانس پہ، غنوں نظامِ شمسی قسربان

آسائیش بے کراں ہے محنت کا دوا  
دولت ہے کوئی تو کاوشِ نچتہ نظام  
ناساز نہوا مزاجِ ضدِ سیل و نہار  
بگڑا جو کبھی ایک ذیقے کا قوام

(عزفہ سو نیم)

فن کار



یہ، تباہِ بزاں، سُخُن کے لانے والے  
یہ، اُسپنے ہی خون میں نہانے والے  
وَاللّٰہُ کہ میں خِشَم و چِراغِ آفاق  
یہ ”فکر“ کو ”آواز“ بنانے والے!



رخسارہ ایں و آں، دمک اٹھتا ہے  
بہ غنچہ رنگ و بو، چٹک اٹھتا ہے  
پڑتی ہے جو مضرابِ نگاہِ فن کا ر  
آفاق کا ہر تار کھنک اٹھتا ہے

نظریں گرتی ہیں نصبِ حوروں کے خیام  
انفاس کی موج، ڈھالتی ہے گلِ فام  
آذر کدہٗ فن کے نہاں خانے میں  
نلیکوں کی جھپک، تراشتی ہے اصنام



قیاموس نیارات کے دھارے ہم ہیں  
 گردون محاکات کے تارے ہم ہیں  
 دیکھے جو ہمیں غرش تو گر جائے کلاہ  
 ایوانِ سخن کے وہ منارے ہم ہیں

برق زکو زربار بنا دیتے ہیں  
 بخش کو خمین زار، بنا دیتے ہیں  
 برزۂ جسادہ کو، بغیضِ رفتار  
 ہم مضر کا بازار بنا دیتے ہیں

تخلیقِ ادب ہے وہ بلائے جاں کاہ  
 چبھتی ہے، رگِ دل میں، تختِ کیل کی نگاہ  
 جس کُرب سے، الفاظ میں ڈھلتا ہے خیال  
 وہ کُرب جہاں شکن، عیا ذبا اللہ

وہ جلوہ صبح ہو کہ تاریکیِ شام  
 فن کار کی قسمت میں نہیں ہے آرام  
 جدت، حرکت، مہمہ، تلچل، ہریان  
 ہزارِ نفس پرستے یہاں گرمِ خیرام

نہم اہل سخن ہیں، اک زمانے سے جدا  
برہوں ہے طنبورہ ارشاد و ہدا  
قاران ہدایت پہ جو لہسکیں تو رسول  
مخراب خرابات میں خپسکیں تو خدا

میں تاناں آسمان، آواز سنج نہیں  
میرے در پر جبین چہرہ مل آپس  
اے اہل زمانہ، کتم ہو جس کی اولاد  
اُس آدمِ اذنی کا میں فرزند نہیں

اس وقت سے ہوں، وقت کا جب تھا، شعور  
موجود تھا جب نظمِ مسمیٰ کا ظہور  
خُرفِ کُن، تو ہے ایک طفلِ مکتب  
میری آواز کی قدامت کے حضور

ہر سطر میں غلطیاں ہیں، میرے جملہ صفات  
ہر لفظ کے ایوان میں، خود ہے میری ذات  
جو غور سے پڑھ رہا ہے میرے اشعار  
میرے دل کے، وہ گن رہا ہے، ضربات

فردا کی زمین پر مکاں ہے میرا  
 امروز، اک غصہ بے زباں ہے میرا  
 بویا ہی نہیں گیا ہے اب تک جو شجر  
 اس کی چوٹی پر آشیاں ہے میرا

البتہ اب اس حجاب منزل سے نکل  
 تباہی حق، ظلمت باطل سے نکل  
 حاضر ہے، پئے سجود، قیسِ ایماں  
 اے لیلِ کفرِ جوش، محل سے نکل

مجھ سا، کوئی مے کدے میں ہے بھی ساقی  
 جس میں ہو گرج بھی، اور لے بھی ساقی  
 میرے لہجے کے، طرفہ زیرویم سے  
 پھٹتا ہے لہو بھی، رنگ مے بھی ساقی

موجِ ستیم، قلبِ سوزاں پہ ہنثار  
 ابرِ فردوس، فکرِ حولاں پہ ہنثار  
 صد جامہ کی قناد و صد خلعتِ حم  
 فنِ کار کے ایک چاکِ داماں پہ ہنثار

اشعار کو، رزتا قبا دیتا ہوں  
 افکار کو، آہنگ بنا دیتا ہوں  
 الفاظ کو، جنتا ہوں رؤے اصرام  
 آواز کو، آنکھوں سے، دکھا دیتا ہوں

تلواری کو لچکاؤں، تو مریم چپکے  
 فرم کو، فشار دؤں تو مریم چپکے  
 جنتا ہے تخیل نے، وہ اعجاز مجھے  
 شعلے کو، پھوڑ دؤں، تو شبِ غم چپکے

یہ کعبہ فن کا رہے، جانِ خرمین  
دیکھو، کم ہو سکے نہ فضلِ قوسین  
اعیانِ سماوات، جھکو نہیرِ سلام  
جبریلِ امیں، اتار ڈالو ثعلین

ایک آن میں، جلوؤں کو پرکھ لیتا ہوں  
ایوانِ جمال، دل میں رکھ لیتا ہوں  
مکھڑوں کی مٹھاس، آنکھڑیوں کی مٹے کو  
باشندِ زبّان، نظر سے چکھ لیتا ہوں



معنی کا، زبان نے، گلا کاٹا ہے  
خرفوں کی تجارت میں تراکھاٹا ہے  
افکار کے شہر میں ہے گہما گہمی  
الفاظ کے میدان میں سٹاٹا ہے

پھولوں کی ٹہک، خار بنی جاتی ہے  
ہتھکی کی جھمک، دھار بنی جاتی ہے  
الفاظ میں ڈھل سکی نہ جو فکر جمیل  
سینے میں وہ تلوار بنی جاتی ہے

ہاں خیلِ پیران میں اپنا ہے جسم  
 چلتے ہیں، تو پڑتے ہیں سرِ عرشِ قدم  
 قدسی جھکتے ہیں، جب اٹھاتے ہیں نگاہ  
 ہم تاجِ وِ رانِ شہرِ قمرِ طاس و قلم

صفِ بستہ ہیں گلِ جہات، پیرے آگے  
 رقصندہ ہے کائنات، پیرے آگے  
 ہر صبح کو، آتی ہے، برافلندہ نقاب  
 کیا ذکرِ صفات، ذات، پیرے آگے

دُنیا نے بہت چلائے آسے ہم پر  
 چھپے، لاکھوں مہیب دھارے ہم پر  
 تا عرش پہنچ گئی سواری اپنی  
 اور بھونکتے رہ گئے ستارے ہم پر

اپنی نعمت خزانہ شعلہ  
 اپنی شفقتگی، خروش منصور  
 اپنی لب بستگی نشید قرآن  
 اپنی لکنت، نوائے تورات و زبور

شاعر، ارض و سما کو ٹھکراتا ہے  
خود موت کو خطرے میں نہیں لاتا ہے  
کیا شان دکھارہا ہے بندے، اس کو  
اللہ کی جو دھونس نہیں کھاتا ہے

مستی میں، گریبان جو بچاڑا ہم نے  
گیتی کا غلم، چرخ پہ گاڑا ہم نے  
سر پر لہرائے صد نظامِ شمس  
جب دامنِ تحنیل کو بچاڑا ہم نے

دل کو، کبھی ٹختم بغض بوسنے نہ دیا  
ہم وہ ہیں کہ دشمن کو بھی رونے نہ دیا  
بگڑے بھی کسی سے تو، غضب پر اپنے  
سوزِ ج کو کبھی غروب ہونے نہ دیا

سینے کے ذریعوں کو کھلا رکھتا ہوں  
ہر غرقِ خال و خط کو وارکھتا ہوں  
آنکھوں میں جھلکتا ہے، دھڑکتا ہوا دل  
وہ چہرہ احساسِ بڑا رکھتا ہوں

کیا خوب ہے، نیم اہل سخن کا بیوپار  
آہوں کی دکان میں ہیں لے کے انبار  
کاشتوں سے پٹی پڑی ہے اپنی منڈی  
پھولوں سے مہک رہا ہے اپنا بازار

چپ سا دھچکے، تو انجمن میں بوسے  
لب بند کیے، تو قفل معنی کھولے  
آپیں، جب بھر چکے، تو نغمے برسائے  
آنسو، جب پی لیے، تو موتی روبے

ہم اہل سخن ہیں، ایک جنسِ نایاب  
سب سوزِ نہاں سے خشک، لہجے شاداب  
منہدی میں خریدتے ہیں آہ و شہیون  
بازار میں بیچتے ہیں طافوس و رباب

تخیل کی بدلی ہے، طرب کی بوچھاڑ  
نوحوں کی زمین پر ہے، لغموں کی پھوڑ  
ہر ضربتِ دل ہے ایک "سارے گاما"  
ہر موجِ نفس ہے اک مسلسل جھنکار

ہر موجِ نفس میں تیرا ہے بھالا  
 روزِ آگ میں جھونکتا ہے دل کا چہرہ  
 یہ فلکِ سخن کا ہے جہادِ اکسب  
 یہ "ہکن" کا نہیں کھیل، جنابِ و

جب، گور کے در تک، دل جاں آریا  
 تب، یارِ سرِ جلوہ گہ نماز آریا  
 برسوں، رگ جاں پہ جب چلائی تلوار  
 تو، حرفِ تراشنے کا انداز آریا



زرد کو خردِ سماہ بنا لیتے ہیں  
 تاروں کو، پرکّاء بنا لیتے ہیں  
 سب، فکریں، ہم لوگ جھکاتے ہیں  
 بالکرو، رُصدِ گاہ بنا لیتے ہیں

کربِ تخلیقِ شعر کی سٹھاہ نہیں  
 خود سے ہوتی ہے زندگی برسرِ کہیں  
 جب، دل سے ٹپکتی ہیں لہو کی بوندیں  
 شب، خاتمِ شاعری پہ چڑتے ہیں نیکیں

بر موجِ نفس میں تیرتا ہے بھالا  
 روزِ آگ میں جھونکتا ہے دل کا چہرہ  
 پہ فلرِ سخن کا ہے جہادِ اکسبہ  
 یہ ہکن کا نہیں کھیل، جنابِ روا

جب، گور کے در تک، دل جاں آریا  
 تب، یارِ سرِ جلوہ گہ نماز آریا  
 برسوں، رگ جاں پہ جب چلائی تلوار  
 تو، حرفِ تراشنے کا انداز آریا

چہرے پہ لیے، ضوالتِ اقطابِ کبار  
 عصیاں در آستین و عصمتِ بکنار  
 میزان و پلِ صراط، پیچھے ہٹ جاؤ  
 محشر کی طرف، وہ آ رہا ہے فنِ کار

آفاق کو، طر فہ شانِ دی ہے تم نے  
 دل میں جو چھبے، وہ آن دی ہے تم نے  
 اے فرشتے، تجھے عطا کیے ہیں نعمات  
 اے غریش، تجھے زبان دی ہے تم نے

بے کار رہوں ، تو سر کو شعلے چٹخائیں  
 ہر خون کے قطرے میں : شرارے لہرائیں  
 بیٹنا : جو کبھی فکر سے خالی ہو کر  
 زیرِ سر میں دماغ کے پرچے اڑ جائیں

کشتی جو مری سُبک سُبک جاتی ہے  
 پیشانی اُبرو باد جھک جاتی ہے  
 کھلتا ہے جو با زبان میرا سرِ خبر  
 پھرے طوفاں کی سانس رک جاتی ہے

اڑتے ہیں، مقامِ غم میں تیرے اوسان  
مجھ کو، آنسو ہے ایک موتی کی دکان  
طوفان میں ڈوبتی ہے تیری کشتی  
میری کشتی میں ڈوبتا ہے طوفاں

گرداب میں ہم بصدِ خوشی جاتے ہیں  
یوں جھوٹے مے کے مرتے ہیں کہ جی جاتے ہیں  
تم وہ ہو، ہمست درِ حقیقت کھاتا ہے  
ہم وہ ہیں، ہمست درِ کو جو پی جاتے ہیں

طوفان پہنستا ہے سفینہ اپنا  
 پتھر کو کچلتا ہے نگینہ اپنا  
 تو، دھوپ سے بجاتا ہے سائے کی طرف  
 سوز کو بجاتا ہے پسینہ اپنا

کل صبح کو میں ہلشہیر سوز و گداز  
 پہنچا جو سرِ غرش — اٹھا پردہ راز  
 اور تھوم کے جب ایک قدم اُڑ رہا  
 تو سینے کے ٹوٹنے کی آئی آواز

اس منظرِ عبرت کو بھی دیکھ اے فن کار  
بدیہی کی نظرِ سرورہ الگنی ہے پر خار  
جس پر لٹکے ہوئے ہیں، کانٹوں کی طرح  
بیجان و بنفشہ و گل و سرو و چنار

---

اے واسے برا شفتگی ذوقِ بیاں  
آئیں کیا دل کی دھڑکنیں، تا بڑباں  
الفاظِ ہمیں جھلسے ہوئے خرمین کا غبار  
آواز ہے سیلے ہوئے ایندھن کا دھواں

دانا ہوا اگر، تو شاعری کو سمجھو  
کہتا ہوں جو بات، اُسے گزہ میں باندھو  
کیا بات کہی گئی ہے؟۔ اس پر نہ اڑو  
کس طرح کہی گئی ہے؟۔ اس کو دیکھو

احساس کا طوفان نہیں دے سکتا  
نغمات کی میزان نہیں دے سکتا  
گا تو سکتا ہوں میں تمہارے آگے  
لیکن میں تمہیں کان نہیں دے سکتا



یک شعر کب در وصفِ بادِ نعیم  
 یک حرفِ روانِ و صد خرامِ تسنیم  
 یک معنیِ بجزو گنجِ بائے آفاق  
 یک شعرِ جمیل و دولتِ بہفتِ تعلیم

---

شعرا کی فکر سے، بدن ہے نیلا  
 اور چہرہ، معاش کی طلب میں پیلا  
 اے ابرِ خیالاتِ مسلسل نہ برس  
 ہو جائے نہ نفسِ اسی میں آنگسلا

ہم سہا، دنیا میں، کون ہوگا اوباش  
رہتے ہیں، بساطِ حزن پر بھی بٹاش  
اکہوں سے، جو گوندختہ ہیں سے کاہر  
ہم ان سٹن ہیں وہ انوکھے خیاش

موانج ہے، دل میں، شہر، اب تک  
پیری کی نعل میں ہے جوانی اب تک  
رخ زرد ہے، بال تقرنی ہیں، پھر بھی  
تخیل کی چوڑیاں ہیں وحانی اب تک

لہریں لیتا ہے نور، میرے دل میں  
جلتا ہے چراغِ طور، میرے دل میں  
خیطِ اَبین کو جھجھنا کر، جس وقت  
گاتا ہے مرا شعور، میرے دل میں

ہم، اُبیر گہر بار میں، سُبْحانَ اللہ  
خلاقِ فسوں کا میں، سُبْحانَ اللہ  
لب، عید کے چاند میں، ہر تہِ تہِ جمال  
دل، ہضر کے بازار میں، سُبْحانَ اللہ

زانگوں کی صدا میں گم ہے بانگِ قتل  
 عشرت گہ بوم میں ہے رقصاںِ بیل  
 بہروں کی سجا میں نغمہ زن ہے فن کار  
 گندے نالے پل صوب سے خیرہ گل

ہم پر خلیتا نہیں غم دہر کا داؤں  
 شعلوں پر بھی تو ڈگمگاتے نہیں پاؤں  
 جو ہر قیامت سے بھی لڑ سکتی ہے  
 سر پر ہے وہ گھمور خیالات کی چھاؤں

توضیحات:

زیرتوان و شہزاد

۱۹۵۱ء میں یکساں۔ جب نے، اللہ تعالیٰ کی دین کا نہ تیار ہے، گفتگوں تہذیب کا بہت بڑی نصرت مذاق اڑایا اور اپنے پتھر پے کو دور سے منجے میں، اس خرم ثقافت پر ابرو کی نصرت ملے کیا تھا جس سے متاثر ہو کر میں نے یہ ربابیاں کہی تھیں۔ یہ میسری پہلی اور آخری بخور کوئی ہے، غنہ کر چکا ہوں کہ اب، زندگی بھر اس نصرت کا ام جی ادب غلو نہیں کروں گا۔

ایب کھائی تو کھائی، اب کھاؤں تو رام دہائی!



سو بات کی ہے یہ بات۔ یاران کبار  
وہ نسل ہو، تہذیب سے کس طرح دوچار  
جس نسل کی شخص میں، بکھر تا رہے  
تہذیب نیا گاں کی نہیں ہے جھنکار





جیتے ہی کہ عالموں سے ہوتے ہیں دوچار  
 جہاں کو بھلا کے چڑھتا ہے بخار  
 مردان مہذب پہ جو پڑتی ہے نگاہ  
 زرخا بھیس، ادا بد کے کہتے ہیں گنوار

---

بدوی، آنکھیں جھکائے، ممکن ہی نہیں  
 شہری پہ نہ مسکرائے، ممکن ہی نہیں  
 دیکھے جو ختم سلام اہل تہذیب  
 بوٹے کو منہ نہ آئے، ممکن ہی نہیں

کچھ تو نے سنا : یا رِطافت آگاہ  
 گل ایک گنوار کہ رہا تھا سرِ راہ  
 گل میں وہ بھبک ہے کہ ابی توبہ  
 گوبر میں وہ لپٹیں ہیں کہ سبحان اللہ

گو جہل کی کپچرڑ میں سے بیٹھے ہیں  
 پر، مستِ علم پر تنے بیٹھے ہیں  
 بڑھو، بھونڈو، بلاؤ، بوڑھم، بھونگر  
 بقراط کے استاد بنے بیٹھے ہیں

پتہ نے کہا کہ شانِ محمد کو نہ دکھائیں  
 کہ دو کہ لطافتِ پہ نہ اتنا آرائیں  
 ہیرے صاحب کی آبِ روی کیا ہے  
 میں ان پہ جو گر پڑوں تو ٹکڑے اڑ جائیں

— — — — —

”میری بدبختی کا ناسُورِ بچہ ہے  
 ہر ایک قمرِ حبیب و گلِ چہرہ مرے“  
 دھڑونے جوانوں کو جو دیکھا تو کہہا  
 یہ خاک کے پیوند ہوں، اللہ کرے

ندرتِ ناستنا، لطافتِ بزار  
 کھاتے ہیں گلِ ترکے تصور سے بھی خار  
 جب مور کو دکھتی ہے کہنتی بے پھنس  
 پھٹکارے بے حیا چنیے پھٹکار

---

بھاتا نہیں، ایک آنکھ بھی، اچھوؤں کا وجود  
 ہر چہرہ خوب — زشتِ رو کا منحود  
 کانے نے، دو چشمیوں کو دیکھا تو کہا  
 مرجائیں یہ دو غلے، دو سینے، مردود

نظامت کی نندوں میں فریبوں میں نور  
 دہشتی کے لیے ننگ ہے سیہ گل زر  
 تتلی پہ لندہ پڑی تو مکھی سے کہا  
 کسی، ہرجائی، میں زاد می، مودار

---

گل، ابر سے جب ڈھکا ہوا تھا جنگل  
 برسات سے، یک ہو چکے تھے جل تھل  
 کوئیل کوئی، تو جل کے بولی اک چیل  
 کلابوئی، اگل کھری، چھپچھوری، شفتل

”آب شیریں سے، کب تک آنا کانی“  
”لازم ہے، ادھر آئے، ہر اک جیل رانی“  
کھاری پانی کی مچھلیوں نے یہ کہا  
”اے آگ لگے، خبیث بیٹھا پانی“

(غزوہِ پنجم)

# جمالیات

جمالی نپلو

عالم ہے تمام کہکشان و پرویں  
ذرات پہ بزرگ گلِ فضا پر نسریں  
آیا وہ مرا دشمنِ ایماں، آیا  
لے داوڑِ اطلاق، یہ دنیا ہے یہ دیں !!



جنت کی بہاروں کا تمھارا نمکھڑا  
 بیلے کی کلی . شمع کا تارا نمکھڑا  
 کوثر کی مُصدق ہے تمھاری آواز  
 حوروں کا ثبوت ہے تمھارا نمکھڑا

الہاس کی کان ہیں . تمھاری آنکھیں  
 شعلوں کی زباں ہیں تمھاری آنکھیں  
 ارجن کی کمان ہیں تمھارے بازو  
 بچپون کی دکان ہیں ، تمھاری آنکھیں

ماتھے پہ، یہ اوڑھنی کا، پلو، آڑا  
 گھٹنوں پہ، یہ لٹکا ہوا، برچپا ناڑا  
 پہنچ، یہ شرتی ڈلائی، یہ لٹکا—  
 نکھڑے پہ، یہ بوستا گلابی جاڑا

چوکی جو وہ سلمائے زمیں، حورِ فلک  
 رگِ رگ میں لیے، خوابِ جوانی کی کھٹک  
 گالوں پہ برس کے، کھل گیا نیند کا ابر  
 انگڑائی کے پردے سے، نکل آئی دھنک

تادور نظر آئی فضا چھتائی  
 بہ ذرہ بنا آنکھیں انشراقی  
 اک چہرہ، کھرا کھرا، وہ دیکھا دم خیم  
 آنکھوں میں جہ رقی نہ تمل کھرباقی

---

ساحل پہ اگل رہا ہے دریا موتی  
 تادور جھلک رہا ہے ہیں آہا موتی  
 تیرے لب پر کھٹک رہا ہے ہیں یوں خرف  
 شیشے پہ برس رہا ہے ہیں گویا موتی

کیا تجھ میں پھین ہے، اے مرے طفلِ بوس  
نظروں کو، مٹھاس ہو رہی ہے مخسوس  
گالوں پہ، اتر رہی ہے پھولوں کی برات  
آنکھوں سے نکل رہا ہے رنگوں کا بوس

---

تیری ہر ادا پہ کیوں نہ دل ہوا ہلوٹ  
ہنسی ہے، ترے ہات کے پتھر کی بھی چوٹ  
یوں ہے، ترے لاک میں لگاؤٹ گویا  
بسیاکھ کی چولی میں ہے برسات کی گوٹ

پتری آواز میں ، نیکیلی گھاتی  
 پلوں کی جھپک میں کُنمٹاتی باتیں  
 گالوں پہ بہار کی سُبھانی صبحیں  
 بالوں میں کُنوار کی نشیلی راتیں

---

رگوں کا چین پھبک رہا ہے، آہ  
 دل میں گوندا لپک رہا ہے، آہ  
 ہر منوے ہرے لرز رہا ہے، آہ  
 ہر تارِ نظر کھٹک رہا ہے، آہ

کیا طرف لٹک ہے یار جانی تیری  
 لب سُرُخ ہیں، چوڑیاں ہیں دھانی تیری  
 گوئل کا سہاگ ہے تہنم تیرا  
 رادھا کا لڑکپن ہے جوانی تیری

---

تیرے ہونٹوں میں بونے گل کے گرداب  
 پلکوں کی گھٹی جھاڑوں کے معمورہ خواب  
 آنکھوں میں کھن کھن انگوں کے سہو  
 نلکوں پہ جھن جھن ترنگوں کے زباب

یہ چاند کا گھیرا ہے کہ تیرا منکھڑا  
فرز دوس کا ڈیرا ہے کہ تیرا منکھڑا  
جنگل کی یہ راتیں ہیں کہ تیری رقصیں  
پڑتے، کا سویرا ہے کہ تیرا منکھڑا

---

کل چونک کر اس نے بتقاضائے خمار  
انگڑائی جونی، ٹوٹ گیا رات کا ہار  
اور سرخ پتیلیوں سے آنکھیں جو ملیں  
دوروں سے ابل پڑی دودھاری تلوار

رقصہ کی تانوں پہ بھرکتا ہے قمر  
 توڑا لیتی ہے تو برستے ہیں گہر  
 ہوتا ہے جو ایک بار تار گردن  
 سوارِ نچکات سے دُعا عالم کی مگر

— — —

یہ رات اے، طوفِ خراباں کا شور  
 چکرائے سے یہ چاند، یہ اونگھے سے چکور  
 اَللّٰهُمَّ توالیوں کو دیکھے تو کوئی  
 یہ نشے گھنے گھنے، یہ نیندیں گھنگھور



کھنکھانے کو بیویوں کی ہوا الٹا بیدار  
جس ناز سے پڑتی ہے، دُشمن کے لیے پھوار  
آنکھوں نے، خرابات کے درکھول دیئے  
نڈرائی نے جھوم کر، چلا دی تلوار

--

فسلہ، تو حیا چلت پھرت میں آنی  
شوخی بھڑکی، اذیت میں آنی  
چھیڑا، تو چٹک گئی جوانی کی کلی  
کوہ، تو کمانی، حرکت میں آنی

اٹھرنے، جوانی کی سنی جب آہٹ  
 جو بن چٹکا، رگوں میں گونجی آہٹ  
 سنی بہرہ رشتے میں پروا سن سن  
 برکھا آئی، بدن نے اٹا گھونٹ

رُخ پر جو مہم سادہ مک اٹھتا ہے  
 ہونٹوں پہ، تراوندہ تھک اٹھتا ہے  
 چلے کی ذلالتی کا سُنہرا لچکا  
 آنکھوں کے کناروں پہ جھلک اٹھتا ہے

یہ رات گئے تھے میہا ہی . تو بہ  
 بچی میں . یہ آنکھوں کی سیاہی تو بہ  
 اغندا . کا یہ پیچ و تاب . اللہ غنی  
 یہ . نمید کے جھپان . ابھی تو بہ

کل شب کو بچہ می چلا گئی وہ چیت چور  
 دھڑکائیوں دل کہ سنسنائی ہر پور  
 ایک آنکھ کو . تھوڑا سا دبا کر ، اُس نے  
 اک طرف زاد کے ساتھ بھٹکی جب کویر

الجھٹ ہوئے انگٹریوں کے سب ڈورے ہیں  
 عشوروں کی فنس پہ ملگجے تو رے ہیں  
 بہ ہوا میں اک بھڑبہ بد مستی کی  
 بہ سانس میں، سونمید کے ہلورے ہیں

---

آنکھیں مستی کنجی جو وہ آتی ہے  
 آنکھ میں، گلابی سی چھلک جاتی ہے  
 قدموں کی دھمک دل میں بجاتی ہے رہا  
 قامت کی لچک بخون میں بل کھاتی ہے

سُنتے ہیں جو ماہ و ش، مرے دل کی پکار  
رہ رہ کے لرزتے ہیں خدو خالی کے تار  
پڑتی ہے مری نظر کی جو نہیں ہضراب  
بجھنے لگتے ہیں کم سنوں کے رخسار



# جمالیات

جلالی پہلو





گفتار سے ہوتے ہیں دل و جاں یا مال  
 رفتار جب گاتی ہے کروڑوں بھونچال  
 غشوروں سے دھڑکتا ہے دل ارض و سما  
 دل چسپ نہیں، مہیب ہوتا ہے حمال

ہر چھی جو نظر کرے تو پتھر گڑ جائے  
 شعلوں کی طرف تمام عالم مڑ جائے  
 ہر مڑے بدن سے اٹھ رہی ہے وہ لو  
 چھو لے کوئی انسان تو جھکے ارجائے

ہر موجِ نفس میں، جذبہ صفت شکنی  
 ہر تارِ نظر میں، دعوتِ سینہ زنی  
 یہ بُت کدہ کو سب تازہ، توبہ توبہ  
 یہ، کعبہ شکن غرور، اللہ غنی

دیکھے تھے، بہاروں نے، کب ایسے انداز  
 رنگوں کا متناسب، اور بحیرہ عجاز  
 دیکھا جو اُسے تو دفعۃً گونج اٹھی  
 گلزار میں جلّ شانہ کی آواز

یہ جلوہ خوں خوار ، الہی ، توبہ  
 ناگن کی یہ پھنکار ، الہی ، توبہ  
 زد پر جو آ گیا ، لہو میں ڈوبا  
 نکھڑا ہے کہ ملوار ، الہی ، توبہ

چسں جہاں سوز ، عیا ڈا پالش  
 سرتما بقدم ایک عذاب جاں گاہ  
 پتھر کو تراش دے ، جھکائے جو نظر  
 بستی کو اجاڑ دے ، اٹھائے جو نگاہ



اے آنیٹ گلشن و گلخن تمنا ل  
 اے مرکز کرب و کیف و شمشیر و ہال  
 اے قلزم نور و نار، تیر می زد پر  
 قیام رہ جائے، ہے کسی کی یہ مجال؟

ہاں، بھاگ کھڑے ہو کہ اسی میں ہے بچاؤ  
 جانوں کی نہیں خیرانے ہوش میں آؤ  
 نظار گیانِ حسنِ بُراں طلعت  
 دکھو، ملک الموت سے آنکھیں نہ لڑاؤ

اللہ، یہ عیسیٰ ہلاکت انگیز  
 جوالہ وقت سالہ و تند و خوں ریز  
 پانی بھرتے ہیں اس جفا گر کے حضور  
 حجاج و ہلاکو و یزید و چنگیز

پیاسی ہے ترے خون کی ہر گل بدنی  
 ہر لہر زبش مرگاں میں ہے ناوکِ فلگنی  
 ہاں، قامتِ بالا کے خم و خم پر نہ جا  
 پیشتر کی تلووار ہے، خولی کی اُنی

اُفُوہ، یہ کافر ہے، بہت سخت جسیں  
پاپی خدو خال ہیں کہ ماہ و پروں  
یہ آن، یہ غریبے، یہ انوٹ، یہ لٹک !  
اے بارِ خدا، قابلِ برداشت نہیں

ملتے ہی نظر، دل پہ تیر لگتا ہے  
اک تیر سا، اے رشکِ مزلگتا ہے  
یہ کون سا عنصر ہے، ترے مگرے میں  
نظریں جو اٹھاتا ہوں تو ڈر لگتا ہے

بے کُن سُر سے کہنتی باتیں  
 آنکھوں میں نہرا بات کی بھیگی راتیں  
 یوں بوس پہل رستہ ہیں تیرے سب پر  
 جیسے شمع پہل بولے کاہنیں

اندری، پرستور جوانی کی اٹھان  
 بچل، ہنگامہ، گونج، آندھی، طوفان  
 اٹھتی ہیں جو آنکھیں تو مٹا لیتی ہے کٹار  
 ملتے ہیں جو ابرو تو کڑکتی ہے کمان



نوزدہم

طُلُوعِ سَحَر

آں سحرِ خیزم کہ نہ را در شبِ تازاں دیدہ ام!





خُورِ شید اُبھر رہا ہے، با صد ألوان  
 افلاک پر، آیات کے جُنباں میں نشان  
 گیتی کو پیمبری کا منصب دینے  
 گردوں سے اُتر رہا ہے گویا قرآن

تبیہ غفلت سے، زندگی چھوٹ گئی  
 چھائی ہوئی ظلمت کی کمر لوث گئی  
 دوشیزہ صبح نے پیوٹے جو ملے  
 پو پھٹ گئی، زرتار کرن پھوٹ گئی

نہرے سے بے جبین گلشن پر شکن  
جھونکے ہیں دل برگ و ثمر کی دھڑکن  
کائناتوں کے سروں میں سرسراتی سی کھٹک  
پھولوں کی رگوں میں سنسناتی سی چھین

کرنوں سے چمک رہا ہے گیتی کا ایان  
ذرات ہیں، یا لالہ فردوس کے باغ  
غرفوں کے یہ شیشے ہیں کہ سونے کے ڈالے  
شبِ غم کے قطرے ہیں کہ مندر کے چرائے

یہ بختہ فضا پہ خیطِ ابریں کا بکھار  
دوشِ نوار پر یہ مینا بازار  
یہ صبح کی پیشواز . گنگا جمنی  
الوان کی بدلی سے یہ راگوں کی پھوار

گہسار کے ابر پر ، کرنِ رقص کُناں  
لچھے نقشِ شمس کے ، فضا پر غلطان  
ٹوپی تر چھی کئے ہوئے تازہ اُفق  
اطلس پہنئے ہوئے جہانِ گزراں

کورے پتھروں کی، نرم پیارمی صبحیں  
پابندِ حیا، راج کمارمی صبحیں  
بیابانی صبحوں سے دل لگائے کیوں کر  
جس کی محبوس ہوں کنواری صبحیں

ہر صبح باندازِ دگر آتی ہے  
تھالی میں لیے، نئے گہرا آتی ہے  
ہر روز، اکھرتی ہے افق پر، بسکین  
ہر بار، نئی دُکھن نظر آتی ہے

یہ صبح سرکوه ، یہ پروا سن سن  
 ہر سنت پہ کھرے کی لرزتی حلیمین  
 یوں پھوٹ رہا ہے رنگ وادی جیسے  
 مملکت کے ڈوٹے سے ہمکتا جو بن

بدن کی، فنک پہ منہ اندھی سے تگ و تار  
 شورِ باران کے دوش پہ بانگِ نزار  
 گرتی ہوئی انوارِ افق کی دیوار  
 بیٹھی ہوئی — پھوٹی کرن کی آواز



یہ وقت ہے، بھادویہ تہ ہونی آگ  
 یہ سرد ہو، یہ سنسائی ہونی آگ  
 گوف میں چھب رہی ہیں گویا رادھا  
 یوں، سنسٹا راوتیں ہے، گاتی ہونی آگ

بدلی میں کھٹک رہی ہے صبح کھسار  
 کرنوں میں فہواں ہے، اور دھویں میں گل زار  
 اونچی تانیں اگی ہونی ہیں، تادور  
 یا، بھرپہ ہے پتہ گھنے درختوں کی قطار

انجن کشتی دھویں کی کھیتا گزرا  
اک شمسہ سا، انگڑائی سی پیتا گزرا  
گویا، کوئی شوش خستہ اگیا بتیاں  
سلمانے سحر کو پھومی دتیا گزرا

یہ بچہ نہ یہ، بدیہوں کی گھائیں، ساقی  
یہ، صنچہ کو، راتوں کی برائیں، ساقی  
ہاں، کالگ اڑا کہ پر فشاں ہیں، سر پر  
اڑتے خیمے، دواں تھناتیں، ساقی

پر بت پہ پہ، صبح کی، ہوا میں، ساقی  
بربطِ برد و شش یہ صدائیں، ساقی  
نہر پہ یہ نہیں گھنے درختوں کی قطار  
یہ، نقیب ہیں پابگل گھٹائیں، ساقی

یہ وقت، اور آوازِ جلالی، ہے  
یہ، لُحْنِ سحر کی پائے مالی، ہے  
تو نے اے بدگلو، بضرِ باسِ ازاں  
انگڑائی صبا کی توڑ ڈالی، ہے

لپٹوں کے خزانوں کو لٹاتی آئی  
سوتی ہوئی کلیوں کو جگاتی آئی  
تخیل کے دائرے میں جھٹکتی پازیب  
س طرح نیہ گنگناتی آئی

”ہاں یوہریش ظلمات نہیں جائے گی“  
”تاریکی ذراست نہیں جائے گی“  
سورج نے، اُبھر کر یہ کہا۔ دن ہو جائے  
کہرے نے کہا۔ رات نہیں جائے گی“

کل صبح کو، بستاں نے پکارا مجھ کو  
بازار نگاراں نے پکارا مجھ کو  
روندی ہوئی پتی پہ جمائی جو نگاہ  
سرکار بہساراں نے پکارا مجھ کو

ساجل پہ نسلوع کا یہ جونہ، آہ  
جھل جھل قہقہہ کندن، آہ  
دھارے میں رواں دواں پہ گوتا لچکا  
لہروں میں جگر جگر یہ کشن آہ

کس کے مقدم میں یہ افسق ہے رنگین  
 کس کی دھن میں، صبا نے چھڑی ہے یہ بین  
 کس کی خاطر بنا ہے، اے ابرو شعاع  
 مُقشیش کا یہ رواں لہر یا قالین

دمکائی ہے سورج نے ابھی نصف چھپیں  
 سوسن ہے فضا، فرشِ زمیں ہے نسریں  
 پتھری پہ جو غلطاں ہے یہ تختی سی کرن  
 ڈرتا ہوں کہ ریل سے نہ کٹ جائے کہیں

گردوں پہ، بصد تاز، پس ابرِ سیاہ  
 صفت بستہ، ہنگارِ صبح کی سرخ سپاہ  
 یہ کاکل و رخ کا ہشتہ، چشم بد دور  
 یہ، ظن و یقین کا ربط، ماشاء اللہ

پھولوں میں ہے، وہ صبح کی افسوں کاری  
 ہر سمت ہے، اک دجلہ خوش بو جاری  
 دوبا نظر آتا ہے نظامِ آفاق  
 بھتی گہری ہے، پتھر کی دھاری

یہ بچوں سا وقت صبح ، اور یہ ڈھنگ  
 یہ گونج یہ گھن گرج ، یہ گھڑ گھڑ ، یہ گھسار  
 طیارہ نامراد ، صد خفیت کہ تو  
 تہلی کے خوش آہنگ پروں پر ہے سوار

جیسے جیسے ہوتی ہے تیرا بڑا جنگ  
 جتنی بند تیرا تیرا یوں طرف اُمتنگ  
 جیتے کا غدی سو کے آگے آئے  
 جیسے چپت ہے ایک بار ایک سازنگ



سہنجی چپائی افق پہ گاگر خیلکی  
 شانیں سے ہستاروں کے دلائی دھلکی  
 رنگوں کی براست میں دھند لکا ہتھر کا  
 پھولوں کی کٹوریوں سے شب نم خیلکی

دریاے طلوع میں ہیں زرین گرداب  
 انوار الٹ رہے ہیں ٹکڑوں سے نقاب  
 شانوں پہ لے ہوئے ہے خوابیدہ فضا  
 سوتا، چاندنی، گلال، کاخ، کھجواں

پہ، صُنج کے سُرخ گال، آہا، ہا  
سونے کے فضا پہ جال، آہا، ہا  
ٹپ ٹپ، شاخوں سے اوس، اویہ، اویہ  
ہم تھیم، ہم جسمِ گُلال، آہا، آہا

---

(غزوة مفتمة)

غزوة جمال



مہم پر بھی خسینوں کا کرم تھا اک روز  
اس قوم میں اپنا بھی مجسم تھا اک روز  
بے زار رنگا ہوں کی گزر گاہ ہے اب  
یہ چہرہ جو نظروں کا حرم تھا اک روز

خُن و عشق کا باہمی ارتباط، شباب کے ٹہکتے خیالوں سے ہوتا ہوا۔  
 جب شیب کے ڈھکتے رنگستان میں قدم رکھتا ہے، اور تسلسل  
 عشق و دِرازِ مئی غم کے گرم و سرد دریا، جب آگے بڑھ کر ایک ہو جاتے  
 ہیں، تو تھکی ہوئی زندگی کے سامنے، ایک ایسا زندہ ہارنہاں  
 ساحل آ جاتا ہے کہ اس کی بے پناہ اداسیوں پر نگاہ کر کے، اگر روتے  
 روتے آنکھیں پھوٹ جائیں، اور دھڑکتے دھڑکتے دل دُوب  
 جائے تو یہ ایک ایسا متوقع مادہ ہو گا کہ کسی دیکھنے والے کو اس پر  
 تعجب کرنے کی جرات نہیں ہو سکے گی۔

کون اس غیرت ناک صورتِ حال کا اندازہ لگا سکتا ہے  
 کہ نامِ اوماء و سال کا وزن جب گردن کو سن کر دیتا ہے، اس  
 وقت ماضی کی طرف مڑ کر دیکھنے سے گردن کے اعصاب  
 اور اس کے ساتھ ساتھ دل کی رگوں پر کیا قیامت ٹوٹ  
 پڑتی ہے۔

جس پر یہ پیتا گھسی پڑی ہی نہ ہو وہ کیوں کر سمجھ سکتا ہے  
 کہ جب چاہتے والے کا چہرہ اُدھر اور غیب کا ٹکڑا اُجڑ جاتا ہے  
 اور اس بے کسی کے اُتارِ عالم میں، فریقین کی خونگِ خیال آنکھیں جب  
 ایک دوسرے کا اُترا ہوا منہ دیکھتی ہیں تو وہ لمحہ اس قدر جاں کاہوتا ہے  
 کہ صدفِ زمین و آسمان ہی نہیں، خونگِ سنگِ دل موت کراہتے پر  
 مجبور ہو جاتی ہے۔

جوانی کے تلخ دشواریں عشق پر تو ہزاروں دیوان موجود ہیں  
 لیکن وقت گزیدہ عشق پر غالباً اب تک کسی شاعر نے قلم نہیں  
 اٹھایا ہے۔۔۔ شاید میں نہیں کر رہا ہوں، لیکن اس شرمندگی  
 کے ساتھ کہ میرے دل پر جو بیت چل اوزر بیت رہی ہے، اُس کا  
 کرور وال جھڑکھی سپر قلم نہیں کر سکا ہوں۔

کاش اس کڑواہٹ کی بے شمار زبانوں میں کسی ایک زبان  
 ہی میں اس قدر پنہائی و توانائی ہوتی کہ انسان کے تاثرات  
 و احساسات کے کف و دہاں طوفانوں کی ہر طرف چند موجوں  
 ہی کو، الفاظ کے سنبھڑے میں پھر دسکتی۔

خفیہ اس استغناء بے چارگی پر :-

آزمی محسوس کر سکتا ہے، کہ سکتا نہیں !!

مَدِّہم مَدِّہم سب صوفیانی اُن کی  
 سُونی سُونی سبے راج و عانی اُن کی  
 طالع ہو مرے دل کے نقت پر اے بوت  
 بائیں بغروب ہے۔ جوانی اُن کی

میرے سینے میں روشنی تھی جس سے  
 میرے پیسوں میں زندگی تھی جس سے  
 اللہ، دھواں دھواں ہے اب وہ کھڑا  
 کل، شہر طرب میں پانڈی تھی جس سے



نہلے تو ہوا غروب میرا چہرا  
بچہ، یار تم جہیں کا اترنا چہرا  
شاید مرے چہرے کو منانے کے لیے  
اُس شوخ نے بھیجا ہے خود اپنا چہرا

---

جگ جگ جگ جگ جوان پیسے چہرے  
ہے ہے وہ جگر حیدر تہا رے چہرے  
کس دشت کی بہت مرگت پس نے جاں  
وہ درجلہ روشنی کے دھارے چہرے

ماہیں بخزاں ہے رنگِ نبتاں، ہے ہے  
سرخی میں سفیدی ہے نمایاں، ہے ہے  
دھنکے سونے کی وہ سنہری زلفیں  
چاندی کی چھڑوں پر پیں پافتاں ہے ہے

---

تیری آواز میں ہے نیاں اب تک  
تیرے لب میں ٹولے باراں اب تک  
تیرا، وہ صباختوں کا مندر مکھڑا  
تیرے لہجے میں ہے درختاں اب تک

تم نہ تھکتی یہ نگہیں تھیں اک روز  
آشوبِ دلِ فتنہ دین تھیں اک روز  
آواز سے اب تک یہ پتا چلتا ہے  
تم کہتی خطرناک حسین تھیں اک روز

---

اے وقت، اے رؤسیا، خونی حیوان  
جلوؤں کے گرا دیے ہیں تو نے ایوان  
زرین زلفوں میں بھر دیے ہیں شعلے  
ننگیں بانہوں کی توڑ ڈالی ہے کمان

فریبگ پر یہ ثمر، اذب پر یہ عذاب  
 اپنے شاگرد پر، الہی پر عتاب  
 ثناء کے حبیب کو ڈسے وقت کا ناگ  
 یوسف کے لیے نئے زینچا پر شباب

پہلے تو اسے عطا کیا حسن کا تاج  
 ایوانِ جمال کو کیا پھر تما راج  
 قدرت کے تراشے ہوئے بت کو توڑا  
 کیا شان ہے، اے آذرِ محمود مزاج

آنسو، آنکھوں میں کس لیے ہیں لے جان  
 جھوٹا ہے یہ آئینہ، میری بات کو مان  
 میری آنکھوں میں دیکھ اپنا مسکھڑا  
 تو کیوں ہے ادا اس ادا اس تیرے قربان

مذہم ہوتی نہ دل بہتانی اُس کی  
 قائم رہتی قمرِ شانی اُس کی  
 آتا کیا تجھ پر حُرمت، اگر لے معبود  
 نہ ملتی، میرے آگے نہ جواہر اُس کی

ذہنگ پر یہ ثمر، اذہب پر یہ عذاب  
 اپنے شاگرد پر، الہی پر عتاب  
 شاعر کے حبیب کو ڈسے وقت کا ناگ  
 یوسف کے لیے سے زلیخا پر شباب

پہلے تو اُسے عطا کیا حسن کا تاج  
 ایوانِ جمال کو کیا پھر تما راج  
 قدرت کے تراشے ہوئے بت کو توڑا  
 کیا شان ہے اے آذرِ محمود مزاج

آشوب گل و سمن ہے، معلوم نہ تھا  
غارت گرو تیغ زن ہے، معلوم نہ تھا  
جب تک کہ نہ دیکھا تھا زوالِ جاناں  
اللہ بھی بُت شکن ہے، معلوم نہ تھا

---

جب ہنسِ حسنِ یار اُلٹ جاتی ہے  
چشمِ عاشق کی جوت گھٹ جاتی ہے  
خجر کو جو کاٹتی ہے، وہ گردِ عشق  
رخسار کی اک شکن ہے کٹ جاتی ہے

رکتے کو محبت کا بھرم، ملتے ہیں  
 باسندہ قول و قسم، ملتے ہیں  
 سد حسرت کہ رکتے تو ہیں کشتہ میں ہم  
 پچھتی، اک دوسرے سے کلمہ ملتے ہیں

وہ دن ہے، نہ وہ دن ہیں، نہ وہ راتیں ہیں  
 وہ حرفِ دعا ہے، نہ مناجاتیں ہیں  
 کل تک تھیں جو اے جوش، اُپی تلواریں  
 الٹی ہوئی دھار اب وہ ملاقاتیں ہیں



کیسی محفلِ یوںی ہے برقعہ، سے جاں  
 کیا وقت کی لوموںی ہے مدھلے جاں  
 ب. قُرب میں ہے بعد کا سنااس  
 کل بعد میں تھا قُرب کا۔ لم سے جاں

وہ جذبہ اختلاطِ پیہم نہ رہا  
 وہ رنگ، وہ رس، وہ پیچ، وہ خم نہ رہا  
 اب بھی وہی تم ہو، اور وہی ہم لیکن  
 چہروں کے بدلتے ہی وہ عالم نہ رہا

اب رشتہ گفتگو کو کیسے کا تیں  
سوئے ہوئے دان ہیں سنسناقی راتیں  
سیٹے سیٹے، بجے بجے سے فقرے  
پیسلی پھسکی، رُندھی رُندھی سی باتیں

---

چہروں پہ نہیں وہ خام کاری، ہے ہے  
آنکھوں میں نہیں وہ بے قراری، ہے ہے  
اس سمت ہے آئین مرآت کا لحاظ  
اس سمت ہے، پاسِ وضع داری، ہے ہے

بے مائی نیرِ زو افلاسِ گداز  
نادارِ منی عشوہِ و تہی دستی تاز  
کو تہاہ رنگاہوں کو بتاؤں کیوں کر  
کیا حادثہ عظیم ہے غمِ دراز

---

مجرمیں اگر تھاکں، اور اب آگ پہ لاکھ  
اب، شمع نہ پروانہ، فقط موم اور کھ  
اے دورِ فلک، یہ دن دکھایا تو نے  
دنیا بھر کھاتی کن، اور اب ہے بیساکھ

آنسو آنکھوں میں کس جیسے ہیں، اے جان  
 جہنم! ہے یہ آئینہ، مری بات کو مان  
 میری آنکھوں میں دیکھ اپنا پر تو  
 تو کیوں ہے اداس اداس تیرے قربان

کیوں روٹ گئیں مجھ سے، کراہیں میری  
 کس دیں میں جا بسی ہیں آپں میری  
 اللہ! کدھر ہیں وہ برستی آنکھیں  
 اب، جن کو ترستی ہیں نگاہیں میری

پانی کی خجڑی ملھار گاتی تھی کبھی  
 بدلی، ہر آن، گھر گھڑاتی تھی کبھی  
 میری نگری سے، اے گزرنے والے  
 برکھا اس دیس میں بھی آتی تھی کبھی

---

مُدت سے وہ تھننے میں، نہ وہ سونا بیت  
 وہ کوکتے لہجے، نہ کھنکھتی باتیں  
 کس سے کہنے کہ اب جھمکتا ہے جو چاند  
 اس دل میں گراہتی ہیں کتنی راتیں

دکھیں، اٹھتی ہوئی بنگا پس تیری  
 بھریں، سینے میں جلوہ گاہیں تیری  
 کم نچت ہلال عید کل یوں دمکا  
 فحسوس ہوئیں، گلے میں بانہیں تیری

---

گل ساحل خوابیدہ پر اے پیکرِ ناز  
 جب صبح نے زلفِ ت کی پہنی پشتِ آواز  
 گھنکی، مندر میں یوں رسیلی گھنٹی  
 دھوکا یہ ہوا کہ آئی تیری آواز

تاسنگ در، اب تک چہیں جاتی ہے  
دل کی جو کسک ہے وہ کہیں جاتی ہے  
ہر چند برس کے کھل چکے ہیں بادل  
بجلی کی تڑپ ہے کہ نہیں جاتی ہے

خوش بو ہے وہی مشام جاں میں اب تک  
اک گونج ہے مخراب جہاں میں اب تک  
ندت ہوئی، کاروان گل کو گزرے  
پیش ہیں غبارِ کارواں میں اب تک

اک گونج سی تن بدن میں اُتراتی ہے  
 کتمان سی زندگی پہ بل کھاتی ہے  
 پڑیب آارسے انھیں جگ بیت چکا  
 جھنکار ہے لیکن کہ نہیں جاتی ہے

---

روتا ہوں، گرا ہوتا ہوں، چکراتا ہوں  
 سینے کو مسو ستا ہوں، گھبراتا ہوں  
 جب خواب میں آتی ہو بطرزِ پیشیں  
 میں ضحک کو، دل تھام کے رہ جاتا ہوں



یادوں کے دُھندلکے میں رلایا نہ کرو  
سوئی ہوئی راتوں کو جب گایا نہ کرو  
رستے لگتا ہے پھر سے دل کا انگور  
ممكن ہو تو اب خوب میں آیا نہ کرو

---

یہ دو صفت ترکاں میں نہ لے جاؤ مجھے  
صنمِ دل ویراں میں نہ لے جاؤ مجھے  
قبریاں میں جہاں دورِ طرب کی تادور  
اُس گورِ غریباں میں نہ لے جاؤ مجھے

سفا کی وقت سے جھگڑاؤں، توپلوں  
 بھاگی ہوئی نمرخی کو پکڑ لوں، توپلوں  
 جلدی نہ کرے ہاں کہ میں ان کی جانب  
 رومال سے چہرے کو زگڑ لوں توپلوں

---

مشرق کے درق پر بھتی سنہری نثریہ  
 ظلمت میں تھک رہی تھی، نورس شہویر  
 اتنے میں جو نمر پہ چھپا اے طاہر  
 دیکھا کہ فضا پر بے تمھاری تصویر

انجیم کے آغاز کو دیکھا میں نے  
 ماضی کے، ہر انداز کو دیکھا میں نے  
 کل، نام ترا لیا، جو بونے گل نے  
 تادیر اس آواز کو دیکھا میں نے

پہرے ہیں اداس اداس، گم گم طرفین  
 اچھا ہے کہ اندھی ہی رہے پیت کی رین  
 لہجوں ہی سے دیکھیں گے مجھ اک دوسرے کو  
 آئے نہ چراغ اب ہمارے مابین

تیری زلفوں میں ہے کہانی میری  
تیری پلکوں میں پرستش فی میری  
یہ چو تری آنکھوں میں ہیں غلطاں دُورے  
گُزری تھی یہیں سے کل جوانی میری

مکھڑوں کو خس و خاشا میں ڈھالا تو نے  
پھولوں کے جنازوں کو نکالا تو نے  
اے وقت جہاں کو بکے چلتے ہوئے گھن  
کتنے چاندوں کو توڑ ڈالا تو نے

جب شرم کو جوئے خستہ بل کھاتی ہے  
لہروں کی کراہ، سر پہ، منہ لاتی ہے  
کس ناؤ کے ڈوبنے کی داہ پر جیہ چوٹ  
ساحل کی ہوا کھاتی نہیں جاتی ہے

کاش، ابل مہن، یہ باغ باں کو سمجھا دیں  
جھونکوں کو یہ حکم دے سکد، غومیت پریش  
کامیج کو، غنچوں کے چھکنے کی صدا  
مُرخا لے ہوئے پھول نہ سنے نہ پائیں





بخود، ششم

جلوسِ غم



یک جا ہے، تمام آفرین و توبیح  
دل داری ناپید و جفا ہے مزیت  
آنکھوں میں ہیں یادِ این و آں کے آنسو  
قطرے، طوفاں کی بلکہ رہے ہیں تابین



مضطربے دلِ نیاز، اے پیکرِ ناز  
 آئینہ دُرّک چکا۔ اے آئینہ ساز  
 اے بُت، اے کائنات، اے بارِ خدا  
 انسان کی ہچکیوں کی سن لے آواز

---

اے آدمِ افسردہ و عبرت آیت  
 تو۔ غنچِ ازل سے بنے غریبِ آفات  
 یوں مہرِ ولادت سے ترے ہاتھ پر  
 جس طرح کسی نوح پہ تارِ بچِ وفات

ہر سالش گئے کاٹ رہی ہے معبود  
 لاشوں سے گڑھے پاٹ رہی ہے معبود  
 فریاد کہ زندگی کے شعلوں کی زبان  
 بندوں کو ترے چٹ ہی ہے معبود

— — —

توڑے ہوئے بدھیاں، آثارے بہرے  
 گالوں پہ لیے نشان، دہے ہترے  
 عشرت کی تمنا کے طمانچے کھانے  
 قبروں میں دبے پڑے ہیں کتنے چہرے

ہم، صبحِ ازل سے، آج تک ہیں مغموم  
 ہم پر کیوں قہر ہے، یہ اس کو معلوم  
 تاشتا وہ بندھا ہوا ہے امتیہوں کا  
 مایوسی کا اہل سے بھی دل ہیں محروم

— — — — —

کیا رحمتِ عام و بخششِ تمام ہے، واہ  
 مسکن بھی ہیں تنگ و تارِ مدفن بھی سیاہ  
 زندوں پر بھی عتاب، تیرے قربان  
 مردوں پر بھی عذاب، ماستا، اللہ!

مستی نہ سنے گی نہ کہے گی اکھروں  
چپ چاپ ہر اک ظالم سبے کی اک رُو  
بسنے کا تو کیا ذکر، جو کچھ اور جیسے  
رُونے کی بھی طاقت نہ ہے گی اک رُو

دکھیا انسان جب اٹھاتا ہے نگاہ  
مخرب فلک میں گونج اٹھتی ہے گراہ  
نفیس کو نین ڈوب جاتی ہے ندیم  
بھسکی آنکھوں میں تیرتی ہے جب آہ

نہ مرنے بدلتے ہیں، آگ دہکاتے ہیں  
اعصاب کی زنجیر گر گھٹلاتے ہیں  
ہن کر گھٹن مارتے ہیں دھکتے دہاں پر  
وہ کھولتے آئینہ جو پیسے جاتے ہیں

گھڑیاں جو گزرنا بھٹتیں، گزرتی ہی رہیں  
زلفیں، جو کچھ نا بھٹتیں، بھرتی ہی رہیں  
رخسار میں امید کا، بھرتے رہے رنگ  
اور، یاس کی چھڑیاں ابھرتی ہی رہیں

کچھ کان ہیں کہہ رہی ہے، با دِ غم  
 آنکھوں میں ہے، اُدے ہوئے شکلوں کا عجم  
 بیٹھی ہے جو آکر ابھی دامن پہ پہ گرو  
 کس کی معشوقہ ہے؟ یہ کس کو معلوم

اے وائے حسابِ غم ہو کیوں کر بیباک  
 بران ہے انہدامِ صد طاق و براق  
 انسان کے صرف ایک آئینہ میں ندیم  
 اترے جو بھی تو ڈوب جائے آفاق



کل صحنِ خمین میں سبب اٹھا پردہ خواب  
 اندری نرا گتِ دل خانہ خراب  
 انفاس اٹھا سکے نہ وزنِ خوش بو  
 پلکیں نہ سنبھال پاپیں بارِ مَتّاب

طفلی و شباب و شیب و کم زوری و زور  
 غوغا و سکوت و گریہ و نغمہ و شور  
 خوف و غضب و عشق و معاش و امراض  
 کیا کیا پل میں میانِ گہوارہ و گور

اے نوبِ البشر، یہ نشان، چشمِ بہرہ  
 یہ دیدہ وری، یہ دوزِ مہی، یہ شعور  
 التہ، یہ آنہیوں کے طقوں میں چرخ  
 آہا، یہ زلزلوں کے شانوں پہ تصور!

یہ نقشِ یہ زمرے، یہ فرشتہ سر  
 طلبوں سے گنگتی ہوئی یہ پشتِ زمیں  
 مجھ سے نہ کہو یہ بات، ہیتی راتو  
 ”چہل مالِ حش ہے، حش نہیں“

یارو، یہ شربِ سفینہ، یہ بادِ مراد  
یہ دھوم، یہ قفسِ وزنگ، یہ خاطرِ شاد  
اک نغمہِ عیش اور چھپرِ وسرِ بحر  
اک لوحِ غم کی اور ڈالو بنیاد

قصیدہ میں مشعلیں اٹھائے لمحات  
بٹھٹی ہے، کہیں گاہ میں فوجِ ظلمات  
اُمد سے ہوئے آتشوں سے اللہ بچاے  
انکی سے بڑی دھوم سے تاروں کی برتا

خاموش ہوئے ہستار، ہسکی منہrab  
 بیٹھی آواز دے، زکی نبض رباب  
 در آئی نسیم، جھللا ہیں شمعیں  
 گونجی بانگ اداں، کراہی طحراب

فتنوں نے پہلے اک موڑ پہ راہیں کاٹیں  
 کرنیوں نے، تمام دن، ہنگامیں کاٹیں  
 جب غرق شب کھلا تو کتنے بوئے  
 اوز مرغ نے بانگ دی تو آپہیں کاٹیں

گرداب کی پیچیں۔۔۔ ہے کہ ہر نائی ہے  
دل کی ہیں یہ دھڑکنیں کہ شہ نائی ہے  
جس قفس کے ٹھاٹ کو نرت کہتے ہیں  
مستی کی وہ ٹوٹی سی انگڑائی ہے

اف کشکشِ خیاست، اللہ غنی  
ہر ضربتِ دل، سلسلہ کوہ کنی  
کافرِ حسم ہے کہ مرقد کا فشار  
گمِ بخت پہ سائنس ہے کہ بر چھپی کیانی

گلشن میں دم صبح، بے آغہ گداز  
 سنتا گل چیں بھی، کاش دل کی آواز  
 کھلتا ہے جو پھول، تو یہ کہتی ہے زمین  
 میرے نخستِ جگر، تیری عمر دراز

معلوم ہے، اے شامِ فروزانِ جہاں؟  
 کیا شے ہوتی ہے صبحِ خونینِ کفناں  
 چھڑتی شبستاں میں چراغاں کی جو بات  
 اٹھتا ہے، بچھی سَمٹنے کے سینے سے دھواں

اُجڑے ہوئے اِلوان میں بر لُبط نہ بجاؤ  
 ٹوٹے ہوئے مقبروں میں دُکھوں میں نہ مچاؤ  
 ممکن ہو تو درمیان شب سوختگاہ  
 اپنی راتوں کی رنگ رلیاں نہ سناؤ

اک عُمر سے، بابِ زندگی ہے مسدود  
 اک طرفہ رُبو دَگی ہے اور لا محدود  
 یہ اک بُہتان ہے کہ میں ہوں ذی نوح  
 یہ اک انواء ہے کہ میں ہوں موجود

طغیانِ لطافت سے خُدارا ہرشیار  
ہاں، جام اٹھا، با احتیاطِ بسیار  
اس باغ کی نہر ہے مچلتی ناگن  
اس پھول کی خوش بو ہے دودھاری تلوار

اللہ، یہ بارانِ عطا و انعام  
معبود، اک جان اور اتنے آلام  
اس ہندِ خرابا ہے یہ یہ مشقِ کرم!!  
قدوی نہ ولی ہے، نہ پیمبر، نہ ابام



تاریخ نشاطِ بہمنِ آدم ہے گواہ  
ہر زمزمہ عیش کا انجام ہے آہ  
ہر تار کے لوح کی گرہ میں ہے فنا  
ہر تار کی گونج کے جگر میں ہے کراہ

برسی ہوئی آنکھوں میں، چمن چھتا ہے  
شہ رگ میں، گلوں کا بانگ چھتا ہے  
اب، سانس جو لیتا ہوں تو دکھتے ہیں  
خود اپنا وجود، اپنا بدن چھتا ہے